گرمیوں کی تعطیلات کا بہترین مصرف

دینی معلوماتی تربیتی کورس

برائے طالبات و خواتین

18 جون تا 9 اگست 2001ء

بمقام: (۱) قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

(۲) مرکزی دفتر' تنظیم اسلامی 67۔ اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور

اس کورس میں ان شاء اللہ العزیز' مندرجہ ذیل مضامین کی تدریس ہوگی:

۱) تجوید (نماز و قراءت کی تصحیح) ۲) ابتدائی عربی گرامر

۳) مطالعہ حدیث ۴) ارکانِ اسلام

۵) قرآن حکیم کا منتخب نصاب

نوٹ

- کلاسز ہفتے میں 4 دن (سوموار' منگل' بدھ' جمعرات) ہوں گی۔
- اوقات تعلیم روزانہ چار تا 6:45 شام ہوں گے۔
- تدریس کا آغاز ان شاء اللہ 18 جون سے ہوگا' رجسٹریشن بھی اسی دن ہوگی۔
- کورس فیس مبلغ 200 روپے ہے جس میں جملہ کتب کی قیمت بھی شامل ہے۔
- پابندی سے کورس کی تکمیل پر کامیاب طالبات میں اسناد تقسیم کی جائیں گی۔

المعلنہ: ناظمہ حلقہ خواتین تنظیم اسلامی پاکستان

(۱) قرآن اکیڈمی' 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501

(۲) 67۔ اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' فون (آفس) 6316638 (گھر) 6304338

وَمَن يُؤتَ الحِكمَةَ فَقَد اُوتِيَ خَيرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

ماہنامہ

حکمتِ قرآن

لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمّد رفیع الدّین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیرِ اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

نائب مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

معاون: حافظ خالد محمود خضر، ایم ایس سی

جلد ۲۰ | ربیع الاول ۱۴۲۲ھ — جون ۲۰۰۱ء | شمارہ ٦

— یکے از مطبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔کے۔ماڈل ٹاؤن۔لاہور ۱۴- فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: داؤد منزل متصل شاہ بکری، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۱۹۵۸۶

سالانہ زر تعاون -/۸۰ روپے ، فی شمارہ -/۸ روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف اول

سود خوری وہ گناہ عظیم ہے جس کی مذمت میں قرآن حکیم ہی میں نہیں، حدیث مبارکہ میں بھی سخت ترین الفاظ وارد ہوئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اگر تم سود کو ترک نہیں کرتے تو پھر تیار ہو جاؤ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کو'' (سورۃ البقرہ)---- اور حدیث نبویؐ میں اس گناہ عظیم کی قباحت اور شناعت کو واضح کرنے کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں کہ سن کر لرزہ طاری ہوتا اور جھرجھری آ جاتی ہے۔ فرمایا: ''سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں، ان میں سے کمترین حصہ اس کے مساوی ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ سیاہ کاری کرے۔''

اسلامی جمہوریہ پاکستان میں سود کی ممانعت اور سودی نظام کے خاتمے کے حوالے سے قانونی و عدالتی پیش رفت تو یقیناً قابل قدر حد تک ہو چکی ہے لیکن اس کے عملی نفاذ کے معاملے میں ہماری حکومتیں مجرمانہ غفلت کا ارتکاب کرتی رہی ہیں۔ ۹۱ء میں وفاقی شرعی عدالت نے تاریخ ساز فیصلہ دیا کہ کمرشل اور بینک انٹریسٹ بھی ربا کے حکم میں ہے اور صریحاً حرام ہے لہٰذا مروجہ سودی نظام کو ختم کر کے ایسا متبادل نظام ملک میں رائج کیا جائے جو سود سے پاک ہو۔ میاں نواز شریف نے، جو اُن دنوں پاکستان کے وزیراعظم تھے اور جن کا شمار ''اسلام پسند'' سیاسی رہنماؤں میں ہوتا تھا، اس قابل رشک عدالتی فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر دی اور اس معاملے کو آٹھ برس کے لئے سرد خانے کے سپرد کر دیا۔ بعد ازاں کچھ لوگوں کی سرتوڑ کوشش کے نتیجے میں سپریم کورٹ کا اپیلٹ بنچ تشکیل دیا گیا جس میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے پر بھرپور انداز میں نظر ثانی کرنے کے بعد بالآخر گزشتہ سال اپنے فیصلے میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کی توثیق کرتے ہوئے حکومت پاکستان کو ایک سال کی مہلت دینے کا اعلان کیا کہ آئندہ یکم جولائی سے پہلے پہلے موجودہ بنکاری نظام کا خاتمہ کر دیا جائے اور غیر سودی نظام کو رائج کیا جائے---- اس فیصلے نے

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

درس ۱۹

اِعراض عن الجہاد کی پاداش

نفاق

سورۃ المنافقون کی روشنی میں

(۲)

لفظ ''نفاق'' کی لغوی بحث

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ نفاق کے لفظی معنی کیا ہیں! جیسا کہ کئی مرتبہ عرض کیا جا چکا ہے' اکثر عربی الفاظ کا ایک سہ حرفی مادہ ہوتا ہے۔ لفظ نفاق کا مادہ ''ن ف ق'' ہے۔ عربی زبان میں اس کے دو بنیادی لغوی استعمالات ہیں اور دونوں کے اعتبار سے قرآن مجید کی دو بالکل مختلف اصطلاحات وجود میں آئی ہیں' اگرچہ ان دونوں میں ایک بڑا لطیف ربط ہے' جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا۔ ''نَفَقَ الْفَرَسُ'' اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولا جاتا ہے کہ گھوڑا مر گیا' جیسے ہم کہتے ہیں مر کھپ گیا —— ''نَفِقَتِ الدَّرَاهِمُ'' کا معنی ہے پیسے ختم ہو گئے۔ اسی مادہ سے باب اِفعال میں لفظ ''اِنفاق'' بنا ہے' یعنی خرچ کر دینا' کھپا دینا' لگا دینا۔ انفاق فی سبیل اللہ کا مفہوم ہوگا اللہ کی راہ میں لگا دینا' کھپا دینا' خرچ کر دینا' صرف کر دینا۔ ہمارے اس منتخب نصاب میں یہ لفظ سورۃ التغابن میں آ چکا ہے: ﴿وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ﴾ ''اور خرچ کرو' اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے''۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور لگا دینا ہی تمہارے حق میں خیر اور بھلائی ہے۔ اور اس ضمن میں تعلیم دی گئی کہ اپنا بہتر سے بہتر مال خرچ کرو: ﴿لَنْ

تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ کہ تم نیکی کو حاصل نہ کر سکو گے' مرتبۂ بر تک نہ پہنچ پاؤ گے جب تک کہ خرچ نہ کرو وہ چیز جو تمہیں محبوب ہے۔ اور فرمایا گیا کہ جب تک کہ جی کے اس لالچ سے رستگاری حاصل نہ کرو گے فلاح نہ پاؤ گے۔ سورۃ التغابن میں انفاق کے حکم کے فوراً بعد فرمایا: ﴿وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝﴾ ''اور جو کوئی جی کے اس لالچ سے بچا لیا گیا تو فلاح تک پہنچنے والے صرف وہی لوگ ہیں''۔ چنانچہ ایک یہ اصطلاح ''انفاق'' ہے جو ''ن ف ق'' کے مادے سے اخذ کی گئی ہے۔

اب اسی مادے سے اخذ کردہ دوسری اصطلاح کی طرف آیئے! ''نَفَق'' بطورِ اسم ایک اور معنی میں آتا ہے۔ اس کے معنی ہیں ''سرنگ''۔ چنانچہ سورۃ الانعام میں یہ لفظ بایں طور آیا ہے:

﴿وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُھُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَھُمْ بِاٰیَۃٍ ط﴾ (آیت ۳۵)

کہ اے نبیؐ! یہ کفار و مشرکین آپ سے جس قسم کے حسی معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں' اللہ کی حکمت ان کے ظہور کی متقاضی نہیں ہے' اللہ کا فیصلہ ہے کہ اس قسم کے معجزات ان کو نہیں دکھائے جائیں گے ـــــ لیکن بالفرض اگر آپ پر ان کا یہ اعراض و انکار بہت شاق گزر رہا ہے تو اگر آپ کے لئے ممکن ہے تو کہیں زمین میں سے کوئی سرنگ لگا کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر ان کی مطلوبہ نشانیوں میں سے کوئی نشانی انہیں لا کر دکھا دیجئے!

اسی ''ن ف ق'' سے ایک اور لفظ بنا ہے۔ عربی زبان میں ''نافقاء'' گوہ کے بل کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حیات کو کچھ نہ کچھ شعور بخشا ہے۔ گوہ ایک حقیر سا جانور ہے' لیکن اس میں اپنے تحفظ کا مادہ اتنا قوی ہے کہ وہ اپنا بل سرنگ کی مانند بناتا ہے جس کے دو منہ ہوتے ہیں' تاکہ اگر کوئی شکاری کتا کسی ایک رُخ سے داخل ہو تو وہ اپنی جان بچانے کے لئے دوسرے منہ سے نکل بھاگے اور اگر اُدھر سے کوئی خطرہ ہو تو اِدھر سے نکلنے کی کوئی سبیل رہ جائے۔ یہی لفظ منافقت کی لغوی اصل ہے جس پر کہ قرآن مجید کی یہ اصطلاح مبنی ہے۔

منافقت کیا ہے؟

سرسری مفہوم میں منافق وہ ہے جس کے دو رُخ ہیں۔ وہ ایمان سے بھی ایک تعلق رکھتا ہے اور کفر سے بھی۔ چنانچہ منافقین کے بارے میں فرمایا گیا:

﴿وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۝﴾ (البقرۃ:۱۴)

کہ جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی صاحب ایمان ہیں' ہم بھی ایمان لائے ہیں۔ اور جب اپنے شیطانوں یعنی اپنے سرغنوں سے ملتے ہیں تو اُن سے کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں' مسلمانوں سے تو ہم استہزاء کر رہے ہیں' ان کا مذاق اڑا رہے ہیں' ہمارا ایمان کا دعویٰ محض تمسخر اور دل لگی کے سوا کچھ نہیں۔

منافقین کی اس نفسیاتی کیفیت کو سورۃ النساء میں اس طرح بیان فرمایا گیا:

﴿مُذَبْذَبِیْنَ بَیْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰی هٰٓؤُلَآءِ ؕ﴾ (آیت ۱۴۳)

کہ یہ مذبذب ہو کر رہ گئے ہیں' معلق ہو کر رہ گئے ہیں' نہ اِدھر یکسو ہیں نہ اُدھر یکسو۔

یہ دو رُخا پن اور دو جانب تعلق رکھنے کا طرزِ عمل دراصل انسان اپنے تحفظ' اپنی جان اور مال کے بچاؤ اور اپنی دنیا کو کسی نہ کسی طور سے بچا لینے کے لئے اختیار کرتا ہے کہ کسی طرف بھی اپنے آپ کو مکمل طور پر identify نہ کرے۔ ایک وابستگی کا وہ انداز ہوتا ہے کہ اگر یہ کشتی تیرتی ہے تو ہم تیریں گے' ڈوبتی ہے تو ہم بھی ساتھ ہی ڈوبیں گے۔ اور ایک یہ رویہ ہے کہ ہمیں تو بہرصورت اپنا تحفظ کرنا ہے' لہٰذا کشتیاں جلانی نہیں ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ان کا پلڑا بھاری ہو جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُن کو بالادستی حاصل ہو جائے' لہٰذا دونوں سے بنا کر رکھو۔

یہ تو ہوا اُس دورُخے پن کا وہ ایک ظاہری سا نقشہ کہ جس کی مناسبت ہے اس لفظ ''نفق'' اور ''نافقاء'' سے۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس میں جو اصل جذبہ کارفرما ہے وہ جان و مال کے بچاؤ کا ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے' بقول علامہ

اقبال کہ ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اِسے، ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں!

ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنا سب کچھ لگا دو اور کھپا دو۔ اگر اللہ پر ایمان لائے ہو، اس کے رسولؐ پر ایمان کے دعوے دار ہو تو اللہ کے دین کے غلبے اور اس کے رسولؐ کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی قوتوں اور توانائیوں کو صرف کر دینا ایمان کا لازمی تقاضا ہے، اس لئے کہ ایمان تو بندے اور ربّ کے درمیان ایک قول و قرار کا نام ہے۔ سورۃ التوبۃ میں اس کو یوں تعبیر فرمایا گیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ﴾ (آیت ۱۱۱)
''بے شک اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں''۔

یہ بیع و شراء ہو چکا ہے۔ جان و مال اسی دنیا میں اللہ اور اس کے دین کے لئے لگا دو اور کھپا دو، اس کے عوض آخرت میں اللہ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔ تو جان لو کہ اب یہ جان اور مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہیں، غلبہ و اقامت دین کی جدوجہد میں جب جان و مال کے ایثار کی ضرورت پیش آئے انہیں اللہ کی راہ میں نچھاور کر دو۔ یہ ہے ایمان کا تقاضا۔ اسی لئے سورۃ الحجرات میں ایمانِ حقیقی کے بیان میں لفظ صدق کو نمایاں کیا گیا ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۝﴾ (آیت ۱۵)
''حقیقی مؤمن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائیں اللہ اور اس کے رسولؐ پر اور پھر شک میں نہ پڑیں اور وہ جہاد کریں اپنے اموال کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں، یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں''۔

اور یہی وجہ ہے کہ سورۃ الاحزاب میں اس صدق پر مبنی طرزِ عمل کی طرف توجہ بایں الفاظ دلائی گئی ہے: ﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾ ''وہ جواں مرد کہ جنہوں نے جو عہد اپنے ربّ سے کیا تھا اسے پورا کر دکھایا''۔ اس عہد میں کوتاہی، اس کے

تقاضوں کو ادا کرنے سے پہلو تہی' اس سے کنی کترانا' اس میں پیچھے ہٹنا نفاق کا ایک سبب ہے۔ اس کے لئے ایک بڑی واضح اور مؤثر مثال سورۃ التوبہ میں آئی ہے۔ فرمایا:

﴿وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝﴾ (آیت ۷۵)

''اور ان میں سے کچھ لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے ایک عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل میں سے کچھ عطا فرمائے گا (یعنی رزق میں کشادگی فرمائے گا اور ہمیں تونگری عطا فرمائے گا) تو ہم صدقہ کریں گے (اس کے دین کی راہ میں زیادہ سے زیادہ انفاق کریں گے) اور ہم صالحین میں سے ہو جائیں گے۔''

﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۝﴾ (آیت ۷۶)

''لیکن جب اللہ نے اپنے فضل میں سے انہیں عطا کیا (انہیں غنی کر دیا) تو اب وہ اس کے ساتھ بخل کر رہے ہیں (مال کو سینت سینت کر رکھ رہے ہیں) اور اپنے اس عہد سے منہ موڑ رہے ہیں اور پیچھے ہٹ رہے ہیں۔''

اس سے اگلی آیت میں وہ الفاظ آ رہے ہیں جن کے لئے میں نے اس آیت کا حوالہ دیا' اور جو نفاق کے اصل سبب کو واضح کر رہے ہیں:

﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۝﴾ (آیت ۷۷)

''تو اللہ تعالیٰ نے (ان کے اس طرزِ عمل کی پاداش میں سزا کے طور پر) ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اس دن تک کہ جب وہ اس سے ملاقات کریں گے' اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے''۔

نفاق کا اصل سبب

قرآن مجید میں سورۃ التوبۃ اور سورۃ الاحزاب میں منافقت اور منافقین کے بارے میں بڑے طویل مباحث آئے ہیں' لیکن اکثر و بیشتر قرآن کا پڑھنے والا ان پر سے یہ سمجھ کر گزر جاتا ہے کہ یہ تو صرف وہ لوگ تھے جو محض دھوکہ دینے کے لئے اہل

ایمان میں داخل ہوئے تھے۔ حالانکہ بات صرف یہی نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی ایک نوع کا نفاق تھا' لیکن درحقیقت دورِ نبویؐ میں جو نفاق پیدا ہوا اس کا اصل سبب اعراض عن الجہاد تھا' یعنی جان و مال کے کھپانے سے کنی کترانا۔ ایمان محبوب ہے لیکن کفر سے بھی مفادات وابستہ ہیں' آخرت بھی مطلوب ہے' لیکن دنیا بھی ہاتھ سے دینے کو تیار نہیں۔ تو یہ دو کشتیوں کی سواری درحقیقت نفاق کی بنیاد ہے۔ اگر بات وہ ہے کہ ع ''ہر چہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم'' تو یہ ہے صدقہ' یہ ہے سچا ایمان۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ الفاظ ہم نے پڑھے ہیں کہ: ﴿اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾ اور ﴿رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ﴾ اس کے برعکس اپنے اس عہد میں جھوٹا ہونا' اس میں پیچھے قدم ہٹانا ہی دراصل کذب اور نفاق ہے۔

معنی کے پس منظر میں بھی دیکھا جائے تو نفاق کی اصل جڑ اور بنیاد درحقیقت جہاد فی سبیل اللہ سے کنی کترانا ہے۔

منافق کی علامات

لفظ کذب کے حوالے سے نفاق کے ضمن میں یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے کہ نبی اکرم ﷺ نے منافق کی جو علامتیں بیان فرمائی ہیں ان میں کذب کو سرفہرست رکھا ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

((اٰیَۃُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ)) (۱)

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (۱) جب بات کرے جھوٹ بولے۔ (۲) جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے اور (۳) جب اس کے پاس کوئی چیز بطورِ امانت رکھوائی جائے تو خیانت کرے۔''

یہاں چونکہ معاملہ اس نوع کے نفاق کا نہیں ہے جو ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے کہ منافق تو اسے کہتے ہیں جس نے مسلمانوں اور اسلام کو زک پہنچانے کے لئے سازش کے طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھا ہو' لہٰذا اس حدیث کی تشریح میں بالعموم علماء کرام نفاق کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں کہ ایک ہے نفاقِ اعتقادی اور دوسرا نفاقِ عملی۔ ان کی توجیہہ کے مطابق

اس حدیث میں نفاقِ عملی کا تذکرہ ہے' نفاقِ اعتقادی کا نہیں۔ بہرکیف اس بحث سے قطع نظر آنحضور ﷺ کا فرمان یہ ہے کہ یہ تین اوصاف وہ ہیں کہ جو اگر کسی کی طبیعت میں راسخ ہو جائیں تو وہ پکا منافق ہے۔ ہاں اگر کبھی کسی وقت جھوٹ کا ارتکاب ہو جائے یا کبھی کسی وقت وعدہ خلافی ہو جائے تو یہ چیز نفاق کے ذیل میں نہیں آئے گی۔

یہ مضمون ایک اور متفق علیہ حدیث میں اس سے بھی زیادہ مؤکدہ شکل میں آیا ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں: ((اَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا)) کہ چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس کسی میں وہ چاروں موجود ہوں تو وہ شخص منافق ہے' پکا اور کٹر منافق! ایک روایت میں یہ اضافی الفاظ بھی آئے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ((وَاِنْ صَامَ وَ صَلّٰى وَزَعَمَ اَنَّهٗ مُسْلِمٌ)) خواہ وہ شخص روزہ رکھتا ہو' خواہ نماز پڑھتا ہو اور خواہ اسے خود بھی یہ زعم ہو اور وہ یہ خیال کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں۔ لیکن اگر یہ چاروں وصف اس میں موجود ہیں تو وہ پکا منافق ہے۔ اس حدیث میں ان تین باتوں کے علاوہ جن کا ذکر پچھلی حدیث میں تھا' چوتھی چیز آپؐ نے یہ گنوائی: ((وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) کہ جب کہیں کوئی جھگڑا ہو تو وہ آپے سے باہر ہو جائے' نہ زبان پر کنٹرول رہے نہ جذبات پر۔ یہ چوتھا وصف یا چوتھی علامت ہے منافق کی۔ حضور ﷺ نے اس حدیث میں مزید وضاحت فرمائی کہ جس میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہیں وہ تو کٹر منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک وصف پایا جاتا ہے اس میں اسی مناسبت سے نفاق موجود ہے۔ یہ ہے نفاق کی حقیقت از روئے قرآن و حدیث!

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اب ایک بات اور جان لیجئے۔ ایک خیال یہ بھی عام لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے اور بعض روایات سے غلط طریقے پر یہ نتیجہ اخذ کر لیا گیا ہے کہ نفاق تو بس دورِ نبویؐ ہی میں تھا' اس کے بعد اب نفاق کہیں موجود نہیں ہے۔ حالانکہ یہ تو ایک ایسا نفسیاتی مرض ہے کہ کوئی انسانی معاشرہ کبھی اس سے خالی نہیں رہا۔ ہر انسانی جدوجہد میں تین طرح کے طبقات ہمیشہ موجود رہے۔ ایک وہ کہ جو کسی نئی دعوت کو یا نظریئے کو کھلم کھلا قبول کرتے ہیں' ہر چہ باداباد کی شان کے ساتھ۔ دوسرے وہ جو کھلم کھلا مخالفت کرتے

ہیں اور اس دعوت یا جدوجہد کا راستہ روکنے کے لئے میدان میں آ جاتے ہیں۔ ایک تیسرا طبقہ وہ ہوتا ہے کہ وہ کسی جانب یکسو نہیں ہوتا' بلکہ اِدھر والوں سے بھی بنا کر رکھنا چاہتا ہے اور اُدھر بھی اپنے روابط برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسے ہر قیمت پر اپنا تحفظ مطلوب ہوتا ہے کہ اگر اونٹ اِس کروٹ بیٹھ جائے تب بھی ہمارے لئے بچاؤ کا کوئی راستہ رہ جائے اور اگر کہیں اُس کروٹ بیٹھے تب بھی ہمارے لئے مکمل تباہی نہ ہو!—— اس کیفیت کو قرآن ''تربص'' سے تعبیر کرتا ہے اور یہی درحقیقت نفاق کی بنیاد ہے۔ سورۃ الحدید میں جہاں نفاق کی اصل حقیقت اور اس کے اسباب کا بیان ہے' وہاں یہ لفظ آیا ہے۔ اسی طرح سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ میں بھی' جس کا حوالہ اس سے قبل دیا جا چکا ہے' یہ لفظ ہمارے مطالعہ میں آ چکا ہے' کہ اے نبی! ان مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اپنے باپ اور اپنے بھائی اور اپنے بیٹے اور اپنی بیویاں اور اپنے رشتے دار اور اپنے وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور اپنے کاروبار جو تم نے بڑی محنت سے جمائے ہیں اور جن کے مندا پڑنے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور اپنی جائیدادیں جو تمہیں بہت محبوب ہیں' اگر یہ تمام چیزیں محبوب تر ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے تو جاؤ حالت تربص میں رہو' انتظار کرو!—— یہاں اسلوب میں غیظ و غضب نمایاں ہے اور الفاظ یہ ہیں: ﴿فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ۝﴾ ''جاؤ' انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

نفاق کا اندیشہ کسے لاحق ہوتا ہے؟

نفاق کے بارے میں ایک اور بات جو لائق توجہ ہے اور نبی اکرم ﷺ کی ایک بڑی ہی حکمت افروز حدیث بھی اس ضمن میں ملتی ہے کہ مرض نفاق کے حملے کا اصل خوف مؤمن ہی کو لاحق ہوتا ہے' منافق اس سے اندیشہ محسوس نہیں کرتا' اس لئے کہ وہ تو اس بیماری کے چنگل میں جکڑا جا چکا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

((مَا خَافَهُ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَلَا اَمِنَهُ اِلَّا مُنَافِقٌ)) (۲)

''کہ اس مرضِ نفاق سے صرف مؤمن ہی اندیشہ محسوس کرتا ہے اور اس سے خود

کو محفوظ و مامون صرف منافق ہی سمجھتا ہے''۔

ظاہر بات ہے کہ ڈرے گا وہی جس کی گٹھڑی میں مال ہوگا۔ چنانچہ جس کے پاس ایمان کی کچھ پونجی موجود ہوگی وہی اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ محسوس کرے گا اور جس کی پونجی لٹ چکی ہو' اسے اب کاہے کا خوف! ع ''رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو''۔

احادیث مبارکہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ گناہ اور غلطی اگرچہ مؤمن سے بھی صادر ہو جاتی ہے لیکن مؤمن کے احساس کی شدت کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اگر اس سے کوئی گناہ صادر ہو جائے تو وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ ایک پہاڑ تلے دب گیا ہو یا پہاڑ کا سا بوجھ اس کے سر پر آ گیا ہو۔ اس کے برعکس منافق سے جب کوئی اس طرح کا معاملہ صادر ہوتا ہے تو ایک ہلکا سا احساسِ تقصیر تو اسے بھی ہوتا ہے لیکن بس اتنا کہ جیسے کسی کی ناک پر ایک مکھی بیٹھی تھی اور اس نے اسے اڑا دیا۔ اس شدتِ احساس کی آخری درجے میں کیفیت کا مشاہدہ اگر کرنا ہو تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ ذہن میں لائیے۔ ان کے بارے میں نبی اکرم ﷺ یہ گواہی دیتے ہیں کہ جس راستے سے عمر کا گزر ہوتا ہے اس راستے سے شیطان کنی کترا جاتا ہے۔ حق و باطل میں فرق کر دینے والے اس عمر فاروق (رضی اللہ عنہ) کے شدت احساس کا عالم یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے' جنہیں حضور ﷺ نے بطورِ راز کچھ منافقین کے نام بتا دیئے تھے اور جو صاحب سر النبی مشہور تھے' حضرت عمرؓ اللہ کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ اے حذیفہ! میں اللہ کی قسم دے کر تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کہیں میرا نام تو ان منافقین میں شامل نہیں تھا! یہ ہے شدّتِ احساس!

اسی کا نقشہ ایک انصاری صحابی حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں سامنے آتا ہے۔ وہ ایک بار ایک عجیب کیفیت میں گھر سے نکلے۔ زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے: نافَقَ حنظلة ' نافَقَ حنظلة ' نافَقَ حنظلة کہ حنظلہ تو منافق ہو گیا' حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راستے میں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے سوال کیا کہ معاملہ کیا ہے؟ فرماتے ہیں کہ مَیں تو منافق ہو گیا ہوں'

اور وہ اس لئے کہ جب میں حضور ﷺ کی محفل میں ہوتا ہوں' آپ ﷺ کی مجلس میں ہوتا ہوں تو ایمان و یقین کے اعتبار سے میرے دل کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے اور جب اپنے گھر بار میں جا کر دنیاوی مشاغل میں مصروف ہو جاتا ہوں تو وہ کیفیت برقرار نہیں رہتی' یہی تو نفاق ہے!— حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اگر چاہتے تو خود سمجھا سکتے تھے اور ان کی الجھن کو رفع کر سکتے تھے' لیکن آپؓ نے فرمایا کہ حنظلہ یہ کیفیت تو میری بھی ہے۔ تو آؤ چلو' حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کریں کہ یہ معاملہ کیا ہے! حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری ہوئی' معاملہ پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے حنظلہ! اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے' جو کیفیت میری صحبت میں اور میری مجلس میں تمہیں حاصل ہوتی ہے اگر وہ مستقل اور دائم ہو جائے اور تم ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہو تو فرشتے تم سے تمہارے راستوں میں اور تمہارے بستروں پر مصافحہ کرنے لگیں گے! ((وَلٰکِن یَا حَنظَلَۃُ سَاعَۃً وَسَاعَۃً)) لیکن اے حنظلہ! یہ تو وہ دولت ہے جو کبھی کبھار میسر آتی ہے[۳]۔ یعنی کیفیات کا یہ فرق بالکل فطری ہے' یہ نفاق نہیں ہے۔

بہر حال نفاق سے جس درجے آج مسلمان اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتے ہیں' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معاملہ ایسا نہیں تھا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ قرآن کو پڑھتے ہوئے جب منافقین کا ذکر آتا ہے' جب ہم ان آیات کو پڑھتے ہیں جن میں منافقین پر سخت انداز میں گرفت کی گئی ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان آیات اور ان مضامین کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے' ان آیات میں ہم سے کوئی بحث نہیں' یہ کوئی اور ہی مخلوق ہے جس کے بارے میں یہ ساری باتیں ہو رہی ہیں۔ گویا کہ قرآن مجید کے ان مقامات اور ان آیات سے ہم بالکل محروم رہ جاتے ہیں۔

نفاق کی ہلاکت خیزی

اب ذرا ایک نظر اس مرضِ نفاق کی ہولناکی اور اس کی ہلاکت خیزی پر بھی ڈالئے! اس کا ایک نقشہ تو ان شاء اللہ سورۃ المنافقون میں ہمارے سامنے آئے گا' تاہم اس ضمن میں سورۃ النساء کی یہ آیت بھی بہت قابل توجہ بلکہ لرزہ خیز ہے: ﴿ اِنَّ

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ "یقیناً منافقین آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے"۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کفر کے مقابلے میں نفاق زیادہ مبغوض و ناپسند ہے۔ کافر کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کھلم کھلا سامنے آ کر مقابلہ کرتا ہے' جو کچھ اس کے باطن میں ہوتا ہے اسی کا باہر اعلان کرتا ہے۔ کافروں میں وہ بھی ہیں جو اپنے باطل دین یا اپنے مشرکانہ اوہام وعقائد کے لئے گردنیں کٹوا کر اپنے کردار کی پختگی کا ثبوت دے جاتے ہیں۔ ابوجہل اسی نوع کا ایک کردار تھا جس نے اپنے معبودانِ باطل اور دین باطل کے لئے اپنی گردن کٹوا دی۔ اس کے مقابلے میں منافقانہ کردار بڑا گھناؤنا کردار ہے اور اللہ کی نگاہ میں انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سخت ترین سزا اللہ تعالیٰ نے منافقین ہی کے لئے تیار کی ہے۔

اسی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ منافقین کو رسول اللہ ﷺ کی شفاعت اور استغفار سے محروم کر دیا گیا۔ سورۃ المنافقون میں یہ بات بڑے دوٹوک انداز میں آئی ہے کہ منافقین کے حق میں نبی اکرم ﷺ کا استغفار بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے۔ یہی مضمون سورۃ التوبہ میں اپنی انتہائی صورت میں آیا ہے۔ فرمایا: ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ﴾ "(کہ اے نبی! اللہ تعالیٰ ان منافقین سے اس درجے ناراض ہے کہ) اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں کرے گا"۔ یہ ہے درحقیقت نفاق کی ہولناکی اور انجام کے اعتبار سے اس کی ہلاکت خیزی! — لہٰذا اس راہ میں آنا ہے تو دل و دماغ کے یکسو فیصلے اور ہر چہ باداباد کی شان کے ساتھ آنا ہوگا۔ ع "جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں؟" تحفظات کے ساتھ مت آؤ' جان و مال کو کسی طور سے سلامت رکھنے کا فیصلہ کر کے نہ آؤ' بلکہ طے کر کے آؤ کہ جو تقاضا ہوگا حاضر ہوں گے' جو مطالبہ کیا جائے گا پورا کریں گے۔ تبھی نفاق سے محفوظ رہ سکو گے۔

نفاق سے بچاؤ کا ذریعہ —— ذکرِ الٰہی

اب ذرا ہمیں اس پہلو سے بھی غور کرنا ہے کہ مرضِ نفاق سے بچاؤ کا ذریعہ اور طریقہ کون سا ہے! —— ظاہر بات ہے کہ نفاق ضد ہے ایمان کی۔ یہ بات ذہن میں

رہے کہ ایمان کی ضدیں (antonyms) دو ہیں' ایک قانونی یا ظاہری اعتبار سے اور دوسری باطنی اعتبار سے۔ قانونی اعتبار سے مؤمن کے مقابلے میں کافر کا لفظ آتا ہے۔ بلکہ یہاں مؤمن کی بجائے مسلم کا لفظ زیادہ موزوں ہے۔ چنانچہ قانونی اعتبار سے تو دو ہی درجے ممکن ہیں: کافر یا مسلم۔ تاہم باطنی اعتبار سے اور دلی کیفیات کے لحاظ سے ایمان کی ضد ہے نفاق!—— اس پہلو سے مؤمن کے مقابلے میں منافق کا لفظ آتا ہے' گویا حقیقت کے اعتبار سے ایمان کی ضد نفاق ہے اور قانونی اعتبار سے کفر! لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے آپ کو نفاق سے بچانا چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ کبھی اس مرض کی چھوت اسے لگے تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اپنے ایمان کی حفاظت کرے اور اسے مستحکم رکھنے کی فکر کرے۔ اور ایمان کی آبیاری' اس کی تقویت اور اس کو سرسبز و شاداب رکھنے کا حقیقی اور مؤثر ذریعہ ذکر الٰہی کے سوا اور کوئی نہیں! تلاوتِ قرآن حکیم اور نماز ذکر کی اعلیٰ ترین صورتیں ہیں' یا پھر دوامِ ذکر کی وہ صورت جس کا تذکرہ پچھلے سبق یعنی سورۃ الجمعہ میں تھا: ﴿وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہا کرو' اس کی یاد کو اپنے دل میں ہر دم تازہ رکھو' اس سے لو لگائے رکھو' آخرت کو مستحضر رکھو اور جان لو کہ تمہاری اصل منزل یہ دنیا نہیں' آخرت ہے۔ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ. ہار اور جیت کے فیصلے کا دن وہ ہے—— اور اگر کہیں مرضِ نفاق کی کوئی چھوت تمہیں لگ گئی ہو' انفیکشن ہو گئی ہو' اس مرض نے دل میں کچھ جڑیں جمالی ہوں تو اب اس کا علاج کرنا ہوگا اور وہ علاج ہے انفاق!

نفاق کا علاج : انفاق

دلچسپ بات یہ ہے کہ ''نفاق'' اور ''انفاق'' دونوں کا سہ حرفی مادہ ایک ہی ہے یعنی ''ن ف ق''۔ اس سے ''نفق'' اور ''نافقاء'' کے الفاظ آتے ہیں جس سے منافقت کا لفظ نکلا ہے اور اسی مادے سے ''نَفَقَ يَنْفَقُ'' کے الفاظ مشتق ہیں جن سے بابِ افعال میں ''اِنفاق'' بنتا ہے' یعنی خرچ کر دینا اور کھپا دینا۔ یہی انفاق دراصل منافقت کا تیر بہدف علاج ہے۔ اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرو' لگاؤ اور کھپاؤ! دل کی دنیا کو

اس مال کی محبت اور اس کی نجاست سے پاک و صاف کرو! —— دنیا کا تمام مال و اسباب محض برتنے اور استعمال کرنے کی چیز ہے (مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا) لیکن دیکھنا اس کی محبت دل میں راسخ نہ ہونے پائے' یہ مال و دولتِ دنیا کسی درجے میں بھی تمہارا مطلوب و مقصود نہ بن جائے! —— اس کا ذریعہ یہی ہے کہ جو مال و دولت اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے اسے زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ مال کی محبت کو دل سے کھرچنے اور نفس کے تزکیے کے لئے یہ عمل بہت ضروری ہے۔ سورۃ المؤمنون کے درس میں یہ بات آئی تھی' وہاں اہل ایمان کا ایک اہم وصف یہ بیان ہوا تھا: ﴿وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فٰعِلُوْنَ﴾ —— وہ لوگ کہ جو زکوٰۃ پر کاربند رہتے ہیں' یعنی نفس کے تزکیے کے لئے اپنا مال پیہم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں —— یہ مضمون سورۃ المنافقون کے آخری حصے میں تفصیل سے آئے گا۔ اس سے قبل سورۃ التغابن کے آخر میں بھی ہم نے دیکھا کہ اس جانب اشارہ موجود تھا: ﴿وَاَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ ؕ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۝﴾ کہ خرچ کرو' اس میں تمہارا بھلا ہے اور جو کوئی جی کے لالچ سے بچا لیا گیا وہی لوگ فلاح پائیں گے —— تاہم یہ مضمون اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا ہوا نظر آئے گا سورۃ الحدید میں جو ہمارے اس منتخب نصاب کا آخری مقام ہے۔ ''انفاق فی سبیل اللہ'' کا مضمون ان شاء اللہ العزیز وہاں پورے شرح و بسط کے ساتھ آئے گا۔ بہرحال نفاق کے بارے میں یہ وہ چند بنیادی باتیں ہیں جو جان لینی ضروری ہیں۔ ان کی روشنی میں ان شاء اللہ العزیز جب ہم سورۃ المنافقون کا مطالعہ کریں گے تو ہر ہر آیت ایک بالکل صاف اور شفاف موتی کی طرح سامنے آئے گی' ہر ہر حرف خود بولتا محسوس ہوگا اور آیات کے مابین ربط و تعلق از خود نمایاں ہوتا چلا جائے گا۔

یہ بات اس سے پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید کی سورتیں بالعموم جوڑوں کی شکل میں ہوتی ہیں۔ ایک ہی مضمون کا ایک رخ ایک سورۃ میں اور اس کا دوسرا رخ اس جوڑے کی دوسری سورت میں زیر بحث آتا ہے۔ یہاں نوٹ کیجئے کہ سورۃ المنافقون کے متصلاً بعد سورۃ التغابن ہے۔ سورۃ التغابن کا موضوع ہے ایمان'

جبکہ سورۃ المنافقون حقیقت نفاق سے بحث کرتی ہے۔ نفاق ضد ہے ایمان کی۔ گویا ایک ہی تصویر کے مثبت رخ کا بیان سورۃ التغابن میں ہے اور اس کے منفی رخ کا ذکر سورۃ المنافقون میں ہے اور اس طرح ایک مضمون اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

حواشی

۱) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب علامة المنافق ۔ و صحیح مسلم' کتاب الایمان' باب بیان خصال المنافق۔

۲) صحیح البخاری' کتاب الایمان' باب خوف المومن من ان یحبط عمله وهو لایشعر۔

۳) صحیح مسلم' کتاب التوبة' باب فضل دوام الذکر والفکر فی امور الآخرة والمراقبة۔ ودیگر کتب حدیث

بقیہ: حرف اول

ایک بار پھر مسلمانانِ پاکستان کے دلوں میں امیدوں کے نئے گلشن کھلا دیئے' لیکن افسوس کہ جوں جوں وہ ڈیڈ لائن قریب آ رہی ہے حکومت کی اس معاملے میں بدنیتی عیاں ہوتی جا رہی ہے کہ وہ کسی مثبت پیش رفت کے لئے آمادہ نہیں ہے بلکہ ایک بار پھر اس معاملے کو تاخیر و تعویق میں ڈالنے کا سامان کیا جا رہا ہے---- ان حالات میں ملک کی رہنما دینی جماعتوں کی جانب سے حکومت کے خلاف تحریک چلانے کا اعلان نہایت خوش آئند ہے' لیکن یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ ہماری دینی جماعتیں اس معاملے میں میدان میں نکل کر فی الواقع رسم شبیری ادا کرنے میں سنجیدہ ہیں یا یہ محض ایک خالی خولی دھمکی ہے جس کا مقصد بس وقتی ارتعاش پیدا کرنا ہے۔ سود کی لعنت سے ملک کو پاک کرنے اور اللہ اور اس کے رسول کی شدید ترین ناراضگی سے بچ نکلنے کے اس موقع کو بھی اگر ضائع کر دیا گیا اور دینی جماعتوں نے کوئی بھرپور احتجاجی تحریک نہ چلائی تو تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ ☆☆

ربیع الاول ۱۴۰۱ھ میں پاکستان ٹیلی ویژن پر پیش کیا جانے والا سلسلۂ تقاریر

رسول کامل ﷺ

مقرر : ڈاکٹر اسرار احمد

(۱۰)

انقلابِ نبویؐ کی توسیع
خلافتِ فاروقی و عثمانی رضی اللہ عنہما

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ..... ﴾ (النور : ۵۵)

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے اُن لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ اُن کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے' اور اُن کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے اُن کے حق میں پسند کیا ہے....."

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے بجا طور پر اس رائے کا اظہار فرمایا ہے کہ خلافت راشدہ درحقیقت نبوت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا تتمہ ہے' اور یہ بات اس لئے بالکل قرین قیاس ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی جو بعثت عامہ ہے' یعنی آپؐ کی بعثت پوری دنیا کی طرف' تمام عالم انسانی کی طرف' اس کے فرائض کی تکمیل خلافت راشدہ کے ذریعے ہوئی۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے جس عمل کا آغاز بنفس نفیس فرمادیا تھا' اسے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ آنحضور ﷺ نے اپنے دعوتی نامہ ہائے مبارک ارسال فرمائے' پھر غزوۂ موتہ' پھر سفر تبوک کے مراحل درپیش ہوئے' اور پھر جیش اسامہ کی تیاری اور اس کی روانگی کے انتظام سے جس عمل کا آغاز ہوا اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے

اپنے عہد خلافت میں آگے بڑھایا۔ چنانچہ مسلمانوں کی پیش قدمی شام کے ملک میں آپ کے دورانِ خلافت بھی کافی حد تک ہو چکی تھی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلامی فتوحات کا سیلاب جس کو بجا طور پر تعبیر کیا علامہ اقبال نے اس طرح کہ : ع رُکتا نہ تھا کسی سے سیل رواں ہمارا! یہ نقشہ عہد خلافت فاروقی اور عہد خلافت عثمانی میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کی مدت کل دس سال ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارہ سالوں میں پہلے دس سال کی شان بالکل وہی ہے جو خلافت فاروقی کی تھی۔ وہی اتحاد' وہی یکجہتی' وہی ذوقِ جہاد' وہی جوشِ عمل' وہی شوق شہادت جو ہمیں دور نبوی میں اور عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں نظر آتا ہے' ان بیس سالوں کے دوران یعنی خلافت فاروقی و عثمانی میں بھی بتمام و کمال نظر آرہا ہے۔ البتہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت کے آخری دو سالوں میں افتراق و انتشار بھی ہوا اور فتنہ و فساد کی شکل بھی سامنے آئی ہے جس کے اسباب پر اس وقت گفتگو کا موقع و محل نہیں۔

بہرحال یہ عمل جو تقریباً ایک ربع صدی تک جاری رہا ہے اور نہایت آب و تاب کے ساتھ جاری رہا ہے' اس کے بارے میں ایک بات تو یہ جان لینی چاہئے کہ اس کی اصل غرض و غایت کشور کشائی نہ تھی۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی !

یہ عام دنیوی فتوحات' یا دوسرے فاتحین کی دنیا میں پیش قدمی سے بالکل ایک مختلف معاملہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے' جو فاتح ایران ہیں' ایرانیوں کی جانب سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ ہم پر کیوں چڑھ آئے ہیں؟ یہ جنگ کس لئے ہے؟ ہمارے مابین تو کوئی تنازعات بھی نہ تھے' تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے وہ جواب دیا جو تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہے اور جو تاقیامِ قیامت روشن و تاباں رہے گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کے سوال کے جواب میں کہا :

اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمَاتِ الْجَهَالَةِ اِلٰى نُوْرِ الْاِيْمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْكِ اِلٰى عَدْلِ الْاِسْلَامِ

کہ ہم بھیجے گئے ہیں' یعنی میں آیا' نہیں لایا گیا ہوں' ہم خود نہیں آئے' ہم ایک مشن پر ہیں اور وہ مشن کیا ہے! وہ مشن ہے کہ ہم نوعِ انسانی کو جہالت سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائیں اور بادشاہوں کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل سے روشناس کریں۔ چنانچہ یہ وہی بات ہے کہ اصل مقصد شہادتِ حق تھا۔ شہادت کے ایک معنی اللہ کی راہ میں گردن کٹوا دینے کے بھی ہیں' اور اس طرح گویا کہ یہ ہر مجاہد فی سبیل اللہ کا ایک انفرادی نصب العین ہے۔ یہ وہ تمنا ہے کہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ خود محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان پر آ رہی ہے۔

((لَوَدِدْتُ اَنِّیْ قَاتَلْتُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَقُتِلْتُ' ثُمَّ اُحْیِیْتُ ثُم قُتِلْتُ' ثُمَّ اُحْیِیْتُ)) (۱)

"اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! میری آرزو ہے کہ میں اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر اللہ کی راہ میں قتل ہونے کی سعادت سے شاد کام ہوں' اور پھر زندہ کیا جاؤں...."

یہ بات دوسری ہے کہ اپنے رسولوں کے بارے میں اللہ کی یہ سُنّت ہے' اس کا یہ اٹل قانون ہے کہ وہ مغلوب نہیں ہو سکتے۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ﴾ "اللہ نے یہ لکھ دیا ہے کہ لازماً میں اور میرے رسول ہی غالب رہیں گے"۔ اور جو مغلوب نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ وہ مقتول کیسے ہو سکتا ہے! چونکہ قتل مغلوبیت کی علامت ہے لہٰذا حضور ﷺ کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ لیکن لفظ شہید کے ایک دوسرے معنی میں بھی ہیں جس کی رو سے ہر رسول شہید ہے اور اس شہید کے معنی ہیں گواہ۔ اسی بات کو سورۃ النساء کی آیت ۴۱ میں واضح کیا گیا کہ عدالت اُخروی میں تمام رسول شہید یعنی گواہ بنا کر پیش کیے جائیں گے۔ فرمایا:

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب الجهاد والسیر' باب الجعائل والحملان فی السبیل' ح ۲۸۱۰۔ و مسند احمد' ح ۹۷۷۶

"پس سوچو کہ اُس وقت یہ کیا کریں گے جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور اِن لوگوں پر (اے محمد ﷺ) آپ کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے"۔

یہ شہادت علی الناس کا فریضہ اپنے قول اور اپنے عمل سے دنیا میں حق کی گواہی دینا ہے۔ اور یہی وہ فریضہ ہے جو حضرت محمد ﷺ امت کے حوالے فرما کر اس دنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ چنانچہ یہ بات سورۃ البقرہ میں بایں الفاظ وارد ہوئی :

﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ﴾

"(اے مسلمانو!) ہم نے اسی طرح تمہیں ایک بہترین امت بنایا ہے' تاکہ تم گواہی.. پوری نوعِ انسانی پر اور اللہ کے رسول گواہ ہو جائیں تم پر"۔

یہ بات سورۃ الحج میں بھی آتی ہے۔ وہاں مسلمانوں کو للکارا جا رہا ہے اور ان . . . رہا ہے کہ :

﴿ وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ.... ﴾

"اور اللہ کی راہ میں محنت کرو' جدوجہد کرو جیسا کہ اس کے لئے محنت اور سعی و کوشش کرنے کا حق ہے۔ اللہ نے تمہیں چن لیا ہے...."

یہ چناؤ' یہ انتخاب اور یہ "اِجتباء" کس مقصد اور کس غایت کے لئے کیا گیا ہے! اس کو اسی آیت میں آگے ان الفاظ میں واضح کیا گیا :

﴿ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ ﴾

"تاکہ رسول گواہی دے تم پر اور تم گواہی دو پوری نوعِ انسانی پر"۔

چنانچہ خلافت راشدہ کے دوران ہمیں وہ نظامِ دینِ حق' وہ نظامِ عدلِ اجتماعی انصاف و قسط کے اُصول پر بالفعل قائم و نافذ نظر آتا ہے جس کی آج کے انسان کو اصل ضرورت ہے۔ یہ بات پہلے واضح کی جا چکی ہے کہ جہاں تک انفرادی اَخلاقیات کا تعلق ہے سابقہ انبیاء و رُسل کے ہاں بھی وہ اپنے پورے نقطۂ عروج پر ہیں' اگرچہ اس اعتبار سے بھی ایک امتیازی شان ہے سیرتِ محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی کہ ہم اس میں تمام اَخلاقی اقدار کو ایک بڑے توازن اور جامعیت کے ساتھ سمویا ہوا پاتے ہیں' لیکن نبی اکرم ﷺ کا اصل احسان' آپؐ کی اصل contribution وہ نظامِ اجتماعی ہے جس میں عدل و قسط ہے' انصاف ہے۔ ظلم

سے پاک معاشرہ اور وہ نظام جو حضور ﷺ نے دیا' ہم دیکھتے ہیں کہ اُس کی پوری exfoliation' اس کی برکات کا بتمام و کمال ظہور' گویا lily in bloom نظر آتا ہے دورانِ خلافت راشدہ میں' اس لئے کہ حضور ﷺ کے عہد میں تو ابھی انقلاب کا عمل جاری تھا' ابھی انقلاب تکمیل کو پہنچا ہی تھا کہ حضور ﷺ نے "رفیق اعلیٰ" کی طرف مراجعت اختیار فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی

اس نظام کی برکات ظاہر ہوئیں بالخصوص دورِ فاروقی اور دورِ عثمانی میں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف حریت ہے تو اس کا عالم یہ ہے کہ ایک خاتون بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے فرماں روا کو ٹوک سکتی ہے۔ اور ایک خاتون کی تنقید پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنا ایک آرڈیننس واپس لے لیتے ہیں' جاری شدہ حکم منسوخ فرمادیتے ہیں۔ اسی طرح ایک گدڑی پوش' ایک درویش بے نوا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بر سرعام عمر رضی اللہ عنہ ٹوک دیتا ہے اور دورانِ خطبہ کہتا ہے: لَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ یعنی نہ سنیں گے اور نہ اطاعت کریں گے۔ اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ دریافت کرتے ہیں کہ معاملہ کیا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک خالص نجی تنقید ہے کہ یہ کرتا جو آپ نے پہنا ہوا ہے' ان چادروں سے بنا ہے جو مالِ غنیمت میں آئی تھیں اور ہر مسلمان کو جتنا حصہ ملا تھا اس سے کرتا نہیں بنتا اور آپ تو ہم میں سے ہیں بھی طویل القامت انسان' تو یہ کرتا کیسے بن گیا؟ وقت کے عظیم ترین فرماں روا پر عین مجمع عام میں یہ بالکل ذاتی تنقید ہو رہی ہے۔ آزادی اور حریت کا یہ عالم ہے' اظہارِ رائے کی یہ کیفیت ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ وضاحت کے لئے اپنے بیٹے کو حکم دیتے ہیں کہ عبداللہ! لوگوں کو اصل صورتِ حال بتلاؤ۔ اور جب وہ صراحت فرمادیتے ہیں کہ میں نے اپنے حصے کا کپڑا بھی ابا جان کو دے دیا تھا تاکہ ان کی قمیض مکمل ہو جائے تو اب وہی درویش بے نوا علی الاعلان کہتا ہے:

اَلْاٰنَ نَسْمَعُ وَنُطِیْعُ

"ہاں اب ہم سنیں گے اور اطاعت کریں گے"۔

مساوات اگر کوئی قدر ہے' اور یقیناً ایک اعلیٰ قدر ہے' تو اس کا بھی ہمیں یہ منظر نظر آتا ہے کہ وقت کی عظیم ترین مملکت کا فرماں روا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جس کے نام سے لرزہ طاری ہے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں میں' وہ بیت المقدس کا سفر کر رہا ہے اور کس شان سے! یہ ذاتی سفر

نہیں ہے' سرکاری فرائض کی ادائیگی کے لئے جا رہے ہیں' لیکن ایک اونٹ اور ایک خادم کے ساتھ ـــــ اور حال یہ ہے کہ ایک منزل خلیفۃ المسلمین اونٹ کے اوپر بیٹھے ہوئے ہیں اور غلام یا خادم نکیل تھامے آگے چل رہا ہے' اور اگلی منزل میں معاملہ بالکل برعکس ہے کہ خادم اونٹ کی سواری کر رہا ہے اور خلیفۃ المسلمین نکیل تھامے ہوئے آگے آگے پیدل چل رہے ہیں ـــــ اسی طریقے سے عدل اگر حقیقتاً کسی شے کا نام ہے تو یہ بتمام و کمال نظر آئے گی اسی عہد خلافت راشدہ میں کہ مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا بیٹا مصر میں ایک قبطی کو ناحق مارتا ہے' اور وہ قبطی حج کے موقع پر فریاد لے کر آتا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس قبطی کے ہاتھ سے گورنر کے بیٹے کو قصاص میں کوڑے لگواتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ذرا ایک دو ضربیں اس کے والد کو بھی لگاؤ' اس لئے کہ درحقیقت اس نے اپنے باپ کی گورنری کے زعم ہی میں تم پر یہ ظلم کیا تھا۔ اور وہ شخص پکار اٹھتا ہے کہ نہیں' مجھے میرا بدلہ مل گیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے زمانے میں قاضی کی عدالت میں پیش ہوتے ہیں اور اُن کا دعویٰ صرف اس لئے خارج ہو جاتا ہے کہ ان کے پاس گواہیاں صرف دو تھیں' ایک اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اور ایک غلام کی' اور عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ کسی شخص کے حق میں اس کے بیٹے اور اس کے ذاتی غلام کی گواہی قبول نہیں ہو سکتی' لہٰذا آپ کا دعویٰ خارج ہے۔

حریت ہو' مساوات ہو' عدل و انصاف ہو' یہ تمام اَقدار کہ جن کی یوں سمجھئے کہ نوعِ انسانی کو شدید ضرورت ہے' ان سب کو ایک معتدل نظام کے اندر سمو کر اُس عدلِ اجتماعی کو بالفعل خلافت راشدہ نے قائم کر کے اور عملاً چلا کر دکھا دیا' جس کے لئے آج نوعِ انسانی تڑپ رہی ہے۔ یہ ہے وہ حجت جو خلافت راشدہ کے ذریعے تا قیامِ قیامت نوعِ انسانی کے لئے قائم ہو چکی ہے۔

فَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○○

عصرِ حاضر کے لئے سیرت النبی ﷺ کا پیغام

تحریر : ڈاکٹر طاہرہ بشارت ☆

سیرتِ رسول ﷺ ایک ایسا موضوع ہے جس پر کسی مسلمان کے لئے لکھنا بہت آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ آسان اِس لئے کہ قلم دستِ شوق میں ہے اور مشکل اس لئے کہ موضوع بے پایاں ہے۔

عصر حاضر میں سیرت کے پیغام کی اہمیت اور ضرورت بہت بڑھ گئی ہے' کیوں کہ انسانی زندگی آج طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہے۔ آج کا دَور جہاں سائنس اور ٹیکنالوجی کے کمالات کا دَور ہے وہاں یہ اعلیٰ انسانی شرف و ناموس کے زوال کا بھی دَور ہے۔ سیاسی' اقتصادی اور اَخلاقی قدریں بڑی تیزی سے بدل رہی ہیں۔ مشرق و مغرب کے سیاسی اور اقتصادی نظام اگرچہ بہت منظم اور مستحکم نظر آتے ہیں' لیکن عملاً ان کے نتائج بڑے ہولناک ظاہر ہو رہے ہیں۔ کرۂ ارض جتنا محدود ہو گیا ہے انسان ایک دوسرے سے اتنا ہی بیگانہ اور دُور ہو رہا ہے۔ علاقائی اور لسانی تعصبات کی بناء پر بھائی کو بھائی نہیں پہچانتا اور اسود و احمر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔ بظاہر ستاروں پر کمندیں ڈالی جا رہی ہیں مگر انسانی زندگی کا افق تاریک تر ہوتا جا رہا ہے۔ بقول اقبال ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا — آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا!

☆ اسسٹنٹ پروفیسر' ادارہ علوم اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی' لاہور

آج انسان کو ذہنی روشنی، قلبی اطمینان اور روحانی سکون کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے۔ اس کے حصول کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے کہ سیرتِ طیبہ پر عمل کیا جائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ انسانِ کامل بھی ہیں اور ہادیٔ کامل بھی۔ آپ ﷺ کی رہنمائی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ آپ ﷺ عالمگیر نبی ہیں، اس لئے آپ ﷺ کا پیغام بھی عالمگیر ہے جو تمام ادوار اور تمام اقوام کے افراد کے لئے ''اسوۂ حسنہ'' ہے۔ یہی وہ پیغام ہے جس نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا اور آج عصر حاضر کی خرابیوں کا علاج بھی اسی میں مضمر ہے۔

عرفِ عام میں عصر حاضر سے مراد یورپ کے صنعتی انقلاب کے بعد کا زمانہ ہے جو معاشی اور سائنسی ترقی کا دَور ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مغرب کی سطحی فکر نے کچھ انسانیت کش اعمال مثلاً مادہ پرستی، مذہبی اَقدار سے آزادی اور عریانی و فحاشی کو اس زمانے کی خصوصیات میں شامل کر دیا ہے۔ یہ اس دَور کی وہ گمراہیاں ہیں جنہوں نے انسانیت کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کے فلاحی مقاصد میں رکاوٹ ڈال کر انہیں انسانیت کے لئے الٹا مہلک بنا دیا ہے۔

عصر حاضر میں فرانس اور روس میں بھی انقلاب برپا ہوئے لیکن وہ جزوی نوعیت کے حامل تھے۔ انقلابِ فرانس نے سیاست کے شعبے میں تبدیلی پیدا کی اور روس میں معاشی انقلاب برپا ہوا۔ ان میں کوئی بھی ہمہ جہت نہیں تھا۔ لیکن محمد ﷺ نے انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے روحانی اور عملی انقلاب سے متاثر کیا۔ دل بھی بدلے اور ذہن کی سمت بھی بدلی، اَخلاق بھی بدلا اور زوایۂ نظر کو بھی تبدیل کیا، ظاہری اطوار بھی بدلے اور باطنی واردات میں بھی انقلاب برپا کر ڈالا۔ حضور ﷺ کا یہ بہت بڑا معجزہ ہے کہ حضرتِ انسان کو اندر اور باہر سے بدل ڈالا۔ وحشیوں کو متمدن، جاہلوں کو معلم، گمراہوں کو رہبر، راہزنوں کو رہنما، چرواہوں کو حکمران، عیاشوں کو پاک باز اور خدا بیزاروں کو باخدا بنا دیا۔ غلاموں کو بندہ پروری کے آداب سکھائے۔ اس سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ

براعظموں، رنگوں، نسلوں، خطوں، قوموں، پہاڑوں، صحراؤں، دریاؤں اور میدانوں کے ہزاروں میل کے فاصلے سمیٹ کر لاکھوں کروڑوں انسانوں کو ایک امت میں سمو دیا۔ مکہ کے قریش مہاجر، مدینہ کے اوس وخزرجی انصار، حبش کے بلال بن رباح، بازنطین کے زید بن حارثہ، روم کے صہیب، فارس کے سلمان اور سابقہ یہودی عالم عبداللہ بن سلام، ان سب میں کوئی بھی مادی قدر مشترک نہیں، لیکن لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نے ان سب کو یکجا کر کے ایک لڑی میں پرو دیا اور یہ سب ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن گئے۔ تعلیماتِ محمدی ﷺ نے صدیوں پرانی دشمنیاں ختم کر کے ان میں اتحاد و اتفاق پیدا کیا اور یہ ''بنیان مرصوص'' بن گئے۔

عصر حاضر جسے سائنسی ارتقاء کی بناء پر ایٹمی اور خلائی دَور کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اس کے انداز بھی وہی ہیں جو دورِ جاہلیت کے تھے، بلکہ اگر یہ کہہ دیا جائے کہ یہ دَور اپنی تمام تر علمی رفعت کے باوجود انسانی تذلیل، اَخلاقی پستی، معاشرتی عدم توازن، سیاسی دسیسہ کاری، جرائم کی کثرت، معاشی استحصال، جنس پرستی، زراندوزی، فکری انتشار، قومی افتراق اور دوسروں پر غلبہ و تسلط پانے کی قیصرانہ اور کسروی خواہشات کی بناء پر دَورِ جاہلیت پر بھی سبقت لے گیا ہے تو یہ کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔ عصر حاضر کے بوجہل اور بولہب نے سرمایہ پرستی اور جاہ پسندی کے لات وہبل تراش لئے ہیں اور مختلف ازموں (systems) کا پرچار کر کے اعتقاد کی دیواروں میں دراڑیں ڈال دی ہیں۔ ثقافت کے نام پر عریانی و بے حیائی کو سند جواز عطا کر کے بڑا بنا دیا ہے۔ الحاد اور زندقہ کو آزاد خیالی کا تمغہ دے دیا ہے۔ خدا اور رسول ﷺ کی بغاوت پر ترقی پسندی کا لیبل لگا دیا ہے۔ دھوکہ اور مکاری مسابقت کہلاتی ہے اور اَخلاقی بے راہ روی کا نام زندہ دلی رکھ دیا ہے۔ ﴿فَاعْتَبِرُوْا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ﴾ (الحشر:۲) سیرتِ محمد ﷺ جامع اور ہمہ گیر ہے۔ اس نے عقائد و عبادات، حقوق و فرائض، اوامر و نواہی اور حلال و حرام کے متعلق واضح احکامات عطا فرمائے ہیں۔ اور انہی احکامات کی پیروی

کا حکم دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وما اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا﴾ (الحشر : ۷)

''جو کچھ رسول ﷺ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس چیز سے تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ''۔

اور یہ بھی فرمایا:

﴿اَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ﴾ (الانعام : ۱۵۳)

''نیز اس کی ہدایت یہ ہے کہ یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو''۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو گمراہی سے بچانے کے لئے بایں الفاظ نصیحت فرمائی:

((تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا : کِتَابَ اللّٰہِ وَ سُنَّۃَ نَبِیِّہٖ)) (موطا امام مالك)

''میں تمہارے مابین دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں' جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رکھو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے' اور وہ ہیں: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنّت''۔

لیکن افسوس کہ آج مسلمان اتباع رسول ﷺ سے منہ موڑ کر اغیار کی پیروی کر رہے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے حکم دیا: ﴿اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾ لیکن ہم مختلف ازموں میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے دعوت دی ﴿وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا﴾ لیکن ہم نے شرک جیسے گناہ کبیرہ کو مختلف صورتوں میں اختیار کر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ لیکن ہمیں نماز پڑھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ آپ ﷺ نے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا لیکن ہم نے اس سے بچنے کے لئے کئی حیلے تراش لئے۔ آپ ﷺ نے (حَرَّمَ الرِّبٰوا) کہہ کر سود کی حرمت کا اعلان کیا' لیکن ہم نے interest اور profit کے نام پر اسے حلال ٹھہرا لیا۔ آپ ﷺ نے شراب اور جوئے کو (اِثْمٌ کَبِیْرٌ) فرما کر جوئے کی حرمت کا فتویٰ دیا لیکن ہم نے پرائز بانڈز' لاٹری اور ریفل سکیموں کے نام پر جوئے کی حلت کا فتویٰ دے دیا۔ آپ ﷺ نے ﴿لَا تَاْکُلُوْا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ فرما کر

رزق حلال کمانے کی تلقین کی لیکن ہم نے رشوت' سود' جوئے اور منشیات کے دھندے سے حاصل کردہ مال کو اپنے لئے جائز قرار دیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَنْ غَشَّ فَلَیْسَ مِنَّا)) لیکن ہم نے اسے کاروبار چمکانے کا گر سمجھ لیا۔ آپ ﷺ نے نصیحت فرمائی: ﴿وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ﴾ لیکن ہمارے ہاں اعلیٰ طبقہ سے لے کر ادنیٰ طبقہ تک ہر فرد جھوٹ بولتا ہے۔

آپ ﷺ نے ﴿یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ﴾ کہہ کر عورتوں کو پردے کا حکم دیا لیکن ہم نے بے پردگی اور نمائش کو اختیار کر کے یہود و نصاریٰ کی پیروی کی۔ آپ ﷺ نے ﴿لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ فرما کر بدکاری کے اسباب کے قریب بھی جانے سے روک دیا لیکن ہم نے ان اسباب سے بچنے کے بجائے رقص و سرود کو قوم کی ترقی کا ذریعہ سمجھا۔ موسیقی جسے اللہ کے رسول ﷺ نے دلوں میں نفاق پیدا کرنے کا سبب قرار دیا' اسے ہم نے روح کی غذا بنالیا۔ آپ ﷺ نے ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ فرما کر اتحاد کا حکم دیا' لیکن ہم لسانی' لونی اور علاقائی عصبیتوں کا شکار ہو کر منتشر ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ﴿وَلَا تَنَازَعُوْا﴾ کا درس دیا لیکن ہم سیاسی اور مذہبی فرقوں میں بٹ کر کمزور ہو گئے۔ آپ ﷺ نے ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ﴾ کا پیغام دے کر امت مسلمہ کو مضبوط و مستحکم بنانے کی کوشش کی لیکن آج ہم سندھی' بلوچی' پٹھان' پنجابی اور مہاجر کے چکروں میں پڑ کر اپنے ہی بھائیوں کے گلے کاٹ رہے ہیں۔

اس نااتفاقی کے سبب عالم اسلام مشکلات سے دوچار ہے اور جسد واحد کے اعضا بکھرے پڑے ہیں۔ بوسنیا میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے' کشمیر میں مسلمانوں کا بے دریغ خون بہایا جا رہا ہے' فلسطین میں مسلمان مغلوب ہو رہے ہیں' افغانستان میں آپس میں لڑ رہے ہیں' خلیج کی جنگ نے مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے اور امریکی نیو ورلڈ آرڈر کا اژدہا منہ کھولے سب کو نگل لینے کے لئے تیار کھڑا ہے۔

یہ تمام پریشانیاں سنّتِ محمدیؐ سے دوری کا نتیجہ ہیں۔ اتباع سنّت کے نتیجہ میں عصر حاضر کو روحانیت، تقویٰ، پاک بازی، تعلق مع اللہ اور اخلاق حمیدہ کی وہ دولت حاصل ہو سکے گی جو مادی وسائل کے صحیح استعمال کا طریقہ بتائے گی۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ انسان نے اپنے نفس کو مسخر کئے بغیر تسخیر کائنات شروع کر دی ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے قدم چاند پر پہنچ رہے ہیں، لیکن اس کی سوچ اور نفسانی خواہشات بہیمیت کے تحت الثریٰ میں ڈوب رہی ہے۔ اتباعِ سنّت سے انسان کے قلب و ذہن کی تطہیر ہو گی جو اسے جاہلیت جدیدہ سے چھٹکارا دلائے گی۔ نام نہاد جدت پسند، مسلمانوں پر بنیاد پرستی کا فقرہ چست کرتے ہیں۔ اگر اتباع رسولؐ بنیاد پرستی ہے تو پھر ہمیں غلامِ مصطفےٰ ہونے پر فخر ہے، کیوں کہ یہی چیز یہود و نصاریٰ اور ان کے حواریوں کی غلامی سے نجات کا ذریعہ ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم خلافِ سنّت تمام اُمور کو چھوڑ کر سیرتِ طیبہ کی پیروی کریں۔ بقول شاعر ؎

وہ ہادیٔ جہاں جسے کہئے جہانِ خیر
نسبت سے اس کی میرا وطن ہے نشانِ خیر
اُسؐ کا پیامِ انس و مواخات، روحِ دیں
اُسؐ کا نظامِ عدل و مساوات، جانِ خیر
فتنوں کی تیز دھوپ میں قائم رہیں حواس
خیر الامم کے سر پہ رہے سائبانِ خیر!

(حفیظ تائب)

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا انسانی شخصیت کا تصوّر

چند اہم پہلو

تحریر: عارفین بشیر

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف جنوبی ایشیا بلکہ جدید و قدیم اسلامی دنیا کی عظیم دینی و علمی شخصیات میں سے ایک ہیں۔ بقول جلبانی: ''بلاشبہ وہ اپنے دَور کے امام تھے''۔ انہوں نے مسلمانانِ جنوبی ایشیا کی دینی فکر پر انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں۔ شاہ ولی اللہ کو حقیقی معنوں میں ہندوستان میں جدید اسلامی فکر کا بانی کہا جاسکتا ہے۔ بالفاظ صاحب رودِ کوثر: ''اور اگر کسی کو صحیح معنوں میں امام الہند یعنی اسلامی ہندوستان کے خاص مذہبی نظام کا مرتب کہا جاسکتا ہے تو وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ذاتِ بابرکات ہے''۔

بقول اقبال: ''یہ غالباً شاہ ولی اللہ تھے جنہوں نے سب سے پہلے ایک نئی روح کی بیداری محسوس کی''۔ دورِ جدید کے اہم دینی سکالر ڈاکٹر اسرار احمد نے ان الفاظ میں شاہ صاحب کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے: ''مجددین اسلام کی فہرست میں امام الہند کا نامِ نامی بلاشبہ بہت بلند مقام پر ہے اور یہ کہنا غلط نہیں کہ وہ دَورِ جدید کے فاتح اور ملت اسلامی کی نشاۃِ ثانیہ کے نقطۂ آغاز کی حیثیت رکھتے ہیں''۔

شاہ صاحب نے متنوع موضوعات پر قلم اٹھایا جن میں مذہبی، سیاسی، معاشی، عمرانی، اخلاقی، ثقافتی، تاریخی، فلسفیانہ اور نفسیاتی موضوعات شامل ہیں۔ اور بقول

جلبانی ''ہر موضوع پر ان کی originality and creativity کی مہر ثبت ہے''۔
شاہ صاحب کے علمی کارنامے اگرچہ بے شمار ہیں مگر بالفاظ سید مودودیؒ: ''جو کام ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا وہ یہ کہ انہوں نے اسلام کے پورے فکری' اخلاقی' شرعی اور تمدنی نظام کو ایک مرتب صورت میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہ کارنامہ ہے جس میں وہ اپنے تمام پیش روؤں سے بازی لے گئے ہیں''۔

شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اپنے عظیم الشان نظامِ فکر کو تفصیلاً بیان کیا ہے۔ دورِ جدید میں عصری علوم کے حوالے سے ان کے عمرانی نظریات کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے تو ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ کو جدید عمرانیات کی ''اُم الکتاب'' قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں جو کارنامے شاہ صاحب نے انجام دیئے اور جن کا خود انہوں نے بطورِ خاص تذکرہ کیا ان میں ''نفوسِ انسانیہ کی استعداد کا علم'' (جدید اصطلاح میں اسے علم النفسیات کہا جا سکتا ہے) بھی شامل ہے۔ اس علم کو بھی انہوں نے اپنی مذکورہ بالا شہرۂ آفاق کتاب میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ابھی تک کم ہی اہل علم کی توجہ اس طرف منعطف ہوئی ہے۔ چنانچہ اس کمی کو اپنی بساط کی حد تک پورا کرنے کے لئے مذکورہ کتاب کے حوالے سے شاہ صاحبؒ کے انسانی شخصیت کے بارے میں بیان کردہ تصورات کے مختلف پہلوؤں کو ذیل میں تحریر کیا جا رہا ہے۔

(ا) انسان اور حیوانات میں فرق

انسان دیگر جانداروں اور حیوانات سے کئی اعتبار سے افضل ہے۔ شاہ صاحب کے خیال میں وہ امور جن میں انسان دوسرے حیوانات سے ممتاز ہے' بکثرت ہیں' مگر ان کا دارومدار دو انسانی خصوصیات پر ہے: i) قوتِ عقلی ii) قوتِ عملی۔

i) قوتِ عقلی :

اس کی دو شاخیں ہیں۔

(ا) معاشرے میں عقل کا استعمال: اس سے مراد ہے کہ انسان معاشرتی زندگی کی

درستی' معیارِ زندگی کو بلند کرنے اور دیگر بشری انتظامات کے لئے عقل کا استعمال کرتا ہے۔

(ب) علوم غیبی کے حصول کی استعداد: اس کا فیضان وہبی طور پر بغیر سعی وکوشش کے ہوتا ہے۔ حیوانات اس سے یکسر عاری ہوتے ہیں۔

ii) قوتِ عملی:

اس کے بھی دو پہلو ہیں۔

(ا) آزادی واختیار: حیوانات کے افعال غیر ارادی ہوتے ہیں اور ان میں فطری طور پر ودیعت شدہ ہوتے ہیں۔ جدید اصطلاح میں اسے جبلت (instinct) کہتے ہیں' جبکہ انسان اپنے ارادہ واختیار سے عمل کرتا ہے۔ انسان کا مؤاخذہ اور اس سے جواب طلبی اسی لئے ہے کہ وہ اپنے اعمال کا کاسب ہے۔

(ب) اعلیٰ روحانی مقامات: انسان اپنی عملی قوت کے استعمال سے اعلیٰ روحانی حالات ومقامات حاصل کر لیتا ہے۔ جیسے محبت الٰہی' خدا پر توکل وغیرہ۔

(۲) لطائف انسانی

لطیفہ سے مراد اعضائے انسانی (دماغ' دل' جگر) کی داخلی قوت ہے۔ انسان میں موجود اِن تین اعضائے رئیسہ سے ایسے افعال سرزد ہوتے ہیں جو اس کی نوعی خصوصیات اور فطرت کا تقاضا ہیں۔ ان اعضاء میں سے کسی ایک میں کوئی نقص پیدا ہو جائے تو اس سے داخلی قوت (لطیفہ) کو بھی نقصان پہنچتا ہے' جو اس عضو کا خاصہ ہے۔ اس کے نتیجے میں انسانی عقل' جذبات اور خواہشات وغیرہ عدم توازن کا شکار ہو جاتی ہیں۔ شاہ صاحب نے بنیادی طور پر تین لطائف انسانی کا تذکرہ کیا ہے' یعنی لطیفہ عقل' لطیفہ قلب اور لطیفہ نفس۔

(ا) لطیفہ عقل: اس سے مراد ادراک کی صلاحیت ہے۔ اس کا تعلق دماغ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ اس کی قوت کا انحصار عضو دماغ کی درستی پر ہے۔ اس کے افعال و

خصوصیات میں یقین، شک، تفکر، استدلال، توجیہہ وغیرہ شامل ہیں۔ لطیفۂ عقل کو دیگر دو لطائف پر برتری حاصل ہے، کیونکہ اس کی تہذیب (purification) قلب و نفس کی درستی کا سبب بنتی ہے۔

(ب) لطیفۂ قلب: یہ انسان کی اس صلاحیت کا نام ہے جس کی بدولت انسان کسی سے محبت یا بغض رکھتا ہے، یا کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے۔ اس کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ چنانچہ اس عضو کی خرابی یا درستی لطیفۂ قلب پر منفی اور مثبت اثرات ڈالتی ہے۔ اس کی صفات و افعال میں غصہ، وفاداری، دلیری، بزدلی، خوشی، ناخوشی، محبت، عداوت، جود، بخل، رجاء اور خوف وغیرہ شامل ہیں۔

(ج) لطیفۂ نفس: لذائذ (کھانے پینے) اور جنسی خواہش لطیفۂ نفس کی بدولت ہے۔ اس کا تعلق جگر کے ساتھ ہے۔ اس کی صفات و افعال لذیذ سے لذیذ تر کھانے اور اشیاء کی خواہش اور عورتوں کی محبت وغیرہ ہیں۔

(۳) تہذیب لطائف

شاہ صاحبؒ کے خیال میں انسانی شخصیت کی نشوونما کے لئے لطائف ثلاثہ کی تہذیب ناگزیر ہے۔ لطائف ثلاثہ کی تہذیب و تزکیہ کے لئے کئی طریقے اختیار کئے جاتے ہیں۔ جیسے عبادات، اذکار وغیرہ۔ جب کوئی فرد ان طریقوں کو مستقل بنیادوں پر اختیار کرتا ہے تو اس کے لطائف میں مثبت تغیر پیدا ہوتا ہے۔ جیسے ایک خشک درخت کو مسلسل پانی دیں تو وہ تازہ ہو کر پھل، پھول دینے لگتا ہے۔ انسان میں پیدا ہونے والی یہ تبدیلی بعض اوقات عارضی نوعیت کی ہوتی ہے۔ اس کو ''حال'' کہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ تبدیلی مستقل اور پائیدار ہو تو اسے ''مقام'' کہا جاتا ہے۔

لطیفۂ عقل میں تہذیب و تزکیہ کی بدولت کئی عارضی اور مستقل تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ عقل کا کام چونکہ اسباب کی تلاش ہے، چنانچہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس میں تہذیب کے بعد ''یقین'' پیدا ہو جائے۔ لطیفۂ عقل میں نمودار ہونے والی تمام تبدیلیوں کی اصل

یہی ''یقین'' ہے۔ لازم ہے کہ وہ تمام امور جن کا ذکر شریعت میں ہے' سب پر فرد کا ایمان ہو۔ یہ ایمان اتنا پختہ ہو کہ عقل میں کسی قسم کا شک و تردد موجود نہ رہے۔ لطیفۂ قلب اور لطیفۂ نفس کی تہذیب بھی لطیفۂ عقل پر موقوف ہے۔ چنانچہ لطیفۂ عقل میں جس قدر نورِ ایمان و یقین پیدا ہوگا اسی قدر دوسرے لطائف کا تزکیہ ہوگا۔

(۴) مَلکی اور بہیمی قوت

حضرت شاہ صاحبؒ نے لطائفِ ثلاثہ کے علاوہ انسان میں کارفرما دو مزید قوتوں کو بیان کیا ہے۔ ان میں سے ایک کو انہوں نے قوتِ مَلکی (خیر و نیکی کی قوت) جبکہ دوسری کو قوتِ بہیمی (خواہشات اور جذبات پر مشتمل قوت) کا نام دیا ہے۔ دونوں قوتوں کے دو دو درجات ہیں' ایک اعلیٰ اور دوسرا ادنیٰ۔

(ا) اعلیٰ مَلکی قوت: یہ قوت ایسے لوگوں میں ہوتی ہے جن کو ملاءِ اعلیٰ کے فرشتوں سے خاص مناسبت ہو۔ ایسے افراد ملائکہ کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور عالم جبروت کی باریکیوں سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا خوب ادراک رکھتے ہیں اور مستقبل میں جو نیا نظام قائم کرنا مقصود ہوتا ہے اُس کو پوری طرح سمجھ کر اُس کو بروئے کار لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا ایسے لوگ علمی اور عملی طور پر خیر کی اعلیٰ صلاحیتوں سے سرشار ہوتے ہیں۔

(ب) شدید بہیمی قوت: بہیمت سے مراد حیوانی صلاحیتوں کی موجودگی ہے۔ جب بہیمی قوت شدید ہو تو انسان میں شہوانی جذبات کی تیزی' غصہ اور تکبر جیسی صفات پوری قوت سے اپنا اظہار کرنے لگتی ہیں۔ ایسے افراد میں قوت ارادی بھی بہت مضبوط ہوتی ہے۔ شاہ صاحب نے اس کو ایک مست اونٹ کی مثال سے واضح کیا ہے جو پیدائشی طور پر قوی ہو' اسے خوب غذا ملی ہو۔ چنانچہ وہ خوب تناور' مضبوط' بلند آواز اور سخت گیر ہو' غصہ' کینہ اور شہوانی قوت شدت کے ساتھ ہو اور وہ ہر بات میں دوسرے پر غلبہ چاہتا ہو۔

(ج) ادنیٰ مَلکی قوّت: اس درجے کی مَلکیت کے حامل افراد کی مناسبت ادنیٰ درجے کے فرشتوں سے ہوتی ہے' جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی مکمل معرفت تو نہیں رکھتے مگر ان میں نورانیت موجود ہوتی ہے' اور بہیمی نجاستوں اور آلودگی سے پاک ہوتے ہیں۔ ایسی مَلکی قوّت کے حامل انسان ملاء اسفل کے فرشتوں کے رنگ میں رنگے ہوتے ہیں' یعنی ان میں اعلیٰ علمی صلاحیتیں تو نہیں ہوتیں' چنانچہ وہ کوئی نیا نظام نہیں سوچ سکتے' مگر اعلیٰ مَلکی قوّت کے حامل افراد کے ساتھ مل کر کام کر سکتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگ خیر کے کاموں میں بھرپور حصّہ لیتے ہیں۔

(د) ضعیف بہیمی قوت: ادنیٰ درجے کی بہیمی قوّت کی بدولت حیوانی خصوصیات کمزور اور کمتر درجے کی ہوتی ہیں' جیسے خصی' ناقص الاعضاء جانور جو خشک سالی اور ناموافق حالات میں پرورش پائے' جسم لاغر' آواز باریک' حملہ کرنے میں مریل' کمزور اور بے ہمت ہو' دوسروں پر غلبہ اور فتح پانے کا خیال بھی اسے نہیں آتا۔ جس فرد میں بہیمی قوت کمزور ہو اس میں غصہ' شہوت' قوّتِ ارادی' غرور' احساس برتری اور اپنے آپ کو منوانے کی خواہش وغیرہ کمزور درجے کی ہوتی ہے۔

(۵) اصولِ کشمکش (مزاحمت ومصالحت)

اصولِ کشمکش یعنی مزاحمت و مصالحت کا اصول شاہ صاحب کے تصورِ شخصیت انسانی کا اہم نکتہ ہے۔ بالخصوص شخصیت کی اقسام کے بیان میں اس کو مرکزی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

مَلکی اور بہیمی قوتوں اور لطائف ثلاثہ میں کبھی مزاحمت ہوتی ہے اور کبھی باہم مصالحت۔ مزاحمت کے لئے شاہ صاحب نے ''تجاذب'' اور مصالحت کے لئے ''اصطلاح'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مزاحمت کے دوران کوئی ایک قوّت اور لطیفہ غلبے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر اسے غلبہ حاصل ہو جائے تو انسانی شخصیت اسی کے مطابق ڈھل جاتی ہے اور اسی کے موافق افعال واعمال صادر ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر مَلکی قوّت

غالب آ جائے تو فرد کی توجہ اللہ کی طرف ہو جاتی ہے اور وہ ہمیشہ نیک اعمال کی کوشش کر کے سعادت کے اعلیٰ مراتب کے حصول میں لگا رہتا ہے' جبکہ بہیمی قوّت کے غلبے کی صورت میں معاملہ یکسر مختلف' بلکہ برعکس ہو جاتا ہے۔ مصالحت کی بدولت دونوں قوتیں اور لطائف ثلاثہ اپنی خصوصیات کو کسی قدر ترک کر کے باہم تعاون کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً قوّتِ مَلکی مصالحت کی صورت میں اپنی پاکیزگی اور توجہ الی اللہ میں بقدرِ ضرورت کمی' جبکہ قوّت بہیمی شہوت رانی اور غضب میں قدرے کمی کر کے کسی ایک مقام پر باہم تعاون کرتی ہیں۔ ان میں تناؤ اور کشمکش کی کیفیت نہیں رہتی۔

(۶) سعادت (کمال)

سعادت سے مراد ایسے اعلیٰ اوصاف کا حصول ہے جو صرف انسان کا خاصّہ ہیں۔ جیسے مہذب اَخلاق' عمدہ تدابیر وغیرہ۔ شاہ صاحب کا خیال ہے کہ اکثر لوگ انہی اوصاف کو کمال اور سعادت تصور کرتے ہیں۔ شاہ صاحب نے حقیقی سعادت کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

''سعادت یہی ہے کہ بہیمی حالت نفس ناطقہ (روحِ الٰہی) کے تابع ہو' خواہش عقل کے ماتحت ہو اور اس پر عقل کی حکومت ہو''۔

اصولِ کشمکش کی روشنی میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جب مَلکی قوّت بہیمیت پر غالب آ جائے اور لطیفۂ نفس عقل اور قلب کے زیردست ہو جائے تو انسان میں ایسے اوصاف پیدا ہو جاتے ہیں جنہیں سعادت اور کمال کا نام دیا جا سکتا ہے۔

شاہ صاحب نے سعادت کی دو بنیادی اقسام یا درجات بیان کئے ہیں:

(ا) مَلکی قوّت ناقص حالت میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس میں مطلوبہ خصوصیات کامل طور پر موجود نہیں ہوتیں۔ ایسے شخص کو اپنی حالت کی تکمیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

(ب) سعادت کا دوسرا درجہ یا قسم وہ ہے جس میں بہیمیت مکمل طور پر مَلکیت کے تابع ہو جاتی ہے' وہ اسی کے مطابق عمل کرتی ہے' بلکہ اس کے رنگ میں ڈھل جاتی ہے' جبکہ

مَلکیت بہیمیت کے معمولی اثرات کو بھی قبول نہیں کرتی۔ ایسے افراد سب سے افضل اور اعلیٰ ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ پیدائشی خصوصیات ہوتی ہیں' علاوہ ازیں محنت و کوشش سے بھی یہ حالت ممکن الحصول ہے' مگر اس کے لئے عبادت اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔

سعادت کے مطلوبہ اوصاف

اس ضمن میں شاہ صاحب نے چار اوصاف بیان کئے ہیں۔ ان کے خیال میں اِن اوصاف کو ملائکہ سے ہم رنگی ہے۔ ان اوصاف کی بدولت انسان اس اعلیٰ ترین جماعت (ملائکہ کی جماعت) سے ملحق ومنسلک ہو جاتا ہے۔ انبیاء کی بعثت کا مقصد انہی امور کی طرف لوگوں کو دعوت دینا تھا۔ تمام شرعی امور انہی کی تفصیل وتبیین ہیں۔ سب احکام شرعیہ کا مدعا اِن اوصاف کا حصول ہے۔ یہ اوصاف درج ذیل ہیں:

(ا) طہارت اور پاکیزہ زندگی: ذکی الطبع اور سلیم الفطرت انسان ظاہری و باطنی طہارت کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ یہ وصف فرد میں اپنی دیگر صلاحیتوں اور قوتوں کو منتہائے کمال تک پہنچانے کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ جب طہارت کا وصف خوب راسخ ہو جاتا ہے تو فرد میں فرشتوں کے الہامات قبول کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ اسے اچھے اچھے خواب نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس حدث (ظاہری و باطنی ناپاکی) میں گھر جانے کی بدولت وساوس شیطانی کو قبول کرنے کی استعداد پروان چڑھتی ہے' نورانیت زائل ہو جاتی ہے' ظلمت چھا جاتی ہے' گویا روحانیت مسخ ہو کر رہ جاتی ہے

(ب) خدا کے حضور عاجزی و نیازمندی: اس سے مراد یہ ہے کہ فرد اللہ کے آگے خوب عاجزی وانکساری کا اظہار کرتا ہے۔ یہ حالت اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب اس کے سامنے آیاتِ کریمہ کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اس پر اللہ کی قدرتیں اور نشانیاں واضح ہوتی ہیں۔ وہ اِن پر خوب غور کرتا ہے تو اُس کی روح (نفس ناطقہ) میں بیداری پیدا ہو جاتی ہے' جس کی بدولت وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عظمت کے سامنے عاجزی کے ساتھ

جھک جاتا ہے۔ اس حالت اخبات (عاجزی) کے سبب کمالاتِ علمیہ ظاہر ہوتے ہیں یعنی اللہ کی معرفت بتدریج نقش ہوتی جاتی ہے۔ نتیجتاً اللہ کا قرب حاصل ہوتا ہے' ایسے حالات وارد ہوتے ہیں کہ بقولِ شاہ صاحب' اُن کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں۔

(ج) سماحت: اس کے لفظی معنی فیاضی وسخاوت' نرمی واطاعت کے ہیں' اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ نفس بہیمی خواہشات کی اطاعت نہ کرے' افعال واعمال بہیمیہ کا کوئی پائیدار نقش اس پر نہ جم سکے' اس کا کوئی رنگ اس پر نہ چڑھے۔ اس قوت کی موجودگی میں فرد تمام امورِ معاش میں مصروف ہوتا ہے' مگر اُن کا اثر اِس پر نہیں ہوتا۔ لیکن اگر نفس میں سماحت نہ ہو تو اِن امور کے اثرات قلب پر ثبت ہو جاتے ہیں۔ سماحت کی صفت علمی وعملی کمالات کے خلاف کسی امر کے اثرات کے جمنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے۔ سماحت کے مقابلے میں حرص ہے۔ سماحت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہر مختلف حالت کے اعتبار سے اس کا نام مختلف ہے۔ چنانچہ سماحت اگر مال میں ہو تو سخاوت' کھانے پینے اور جنسی خواہش میں ہو تو عفت' مصائب ومشکلات میں ہو تو صبر کہلاتی ہے جبکہ درج بالا خصوصیات کے متضاد خصائل حرص' شہوت پرستی اور بے قراری ہیں۔

(د) عدالت: اس ملکۂ راسخہ کو کہتے ہیں جس کی بدولت فرد بے تکلفانہ ایسے اعمال کرتا ہے جن سے نظامِ تمدن کو استحکام وثبات حاصل ہوتا ہے۔ ملکۂ راسخہ اس حالت کو کہتے ہیں جب افعال واعمال سہولت سے صادر ہوں' ایسے معلوم ہو جیسے یہ آدمی ایسا کرنے پر فطرتاً مجبور ہے۔

سماحت وعدالت کی صفات میں باہم بُعد ومخالفت ہے' کیونکہ سماحت میں رجحان تجرد اور تنہائی کی طرف مائل ہے' جبکہ عدالت میں رأفت ومحبت اور دنیاوی مشاغل کی طرف ہوتا ہے' لیکن دونوں ہی صفات کی موجودگی ضروری ہے۔

(۷) حصولِ سعادت کی تدابیر

شاہ صاحب نے ان تدابیر یا طریقوں کو دو بڑے اجزاء میں تقسیم کیا ہے۔

i) علمی تدابیر ii) عملی تدابیر

i) علمی تدابیر:

شاہ صاحب کے خیال میں انسانی طبیعت اور مزاج علمی قوتوں کے تابع و مطیع ہوتا ہے۔ انسانی باطن ایسے علوم و معارف سے بھر جائے جو اُس کی فطرت کے مناسب حال ہیں، تو اُن کا اثر اُس کی شخصیت پر نمایاں ہو جاتا ہے۔

علمی تدابیر کے ضمن میں شاہ ولی اللہؒ نے غور و فکر پر زور دیا ہے۔ اس تفکر کے دو بڑے ذرائع انہوں نے بیان کئے ہیں۔

(ا) عمومی تفکر و تذکر: شاہ صاحب کے خیال میں درج بالا چار صفات پیدا کرنے میں فکر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی صفات، اس کی مخلوقات، قوموں کے عروج و زوال، کائنات، موت اور اس کے بعد آنے والے حالات پر غور و فکر کرنا انتہائی مفید ہے۔

(ب) تفکر و تذکر بذریعہ قرآن مجید: اس ضمن میں شاہ صاحب نے تلاوتِ آیات کی تاکید فرمائی ہے۔ قرآن حکیم میں غور و فکر کی اہمیت کے پیش نظر شارع علیہ السلام نے قرآن حکیم کو یاد کرنے، اس میں مشغول رہنے، ترتیل کے ساتھ تلاوت کرنے، پڑھتے ہوئے گریہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

شاہ صاحب نے پانچ علومِ قرآن کو بھی بیان کیا ہے جو قرآن حکیم کے ذریعے غور و فکر میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

☆ تذکر بایام اللہ ☆ تذکر بآلا اللہ ☆ تذکر بالموت و مابعد الموت ☆ تذکر بالاحکام ☆ تذکر بالآیات المخاصمات بالکفار

قرآن حکیم کی مسلسل تلاوت اور آیات میں تدبر سے قوتِ بہیمی، قوتِ ملکی سے مغلوب ہو جاتی ہے اور چار مطلوبہ اوصاف تدریجاً نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

ii) عملی تدابیر:

اس سے مراد ایسے اعمال اختیار کرنا ہے جس سے نفس میں مطلوبہ اوصاف پیدا ہوں۔ ایسے اعمال کو بار بار کرنے سے مطلوبہ اوصاف کی یاد دل میں تازہ رہتی ہے' جس سے مذکورہ اوصاف کو اختیار کرنے کی ترغیب ملتی ہے۔

کوئی خاص عمل مطلوبہ صفت کے حصول کا سبب کیسے بنتا ہے' اس کی دو وجوہات ہیں:

(ا) اعمال اور مطلوبہ اوصاف میں عادتاً تلازم (Association) ہوتا ہے' چنانچہ اس عمل کا لازمی نتیجہ مطلوبہ صفت ہوتی ہے۔

(ب) اعمال اور مطلوبہ صفت میں کوئی فطری مناسبت ہوتی ہے جس سے ان اوصاف کے پیدا ہونے کا گمان غالب ہوتا ہے۔

شاہ صاحب نے تین عملی تدابیر بیان کی ہیں:

i) اذکار: اس میں تسبیحات' استغفار' شکر اور استعاذہ وغیرہ شامل ہیں۔

ii) عبادات: نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ وغیرہ

iii) ریاضت: اس میں شاہ صاحب نے اعتکاف' روزہ' شب بیداری وغیرہ پر زور دیا ہے۔

(۸) حصول اوصاف کی راہ میں رکاوٹیں

اعلیٰ اوصاف کی راہ میں رکاوٹوں کے لئے شاہ صاحب نے ''حجاب'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ انہوں نے تین قسم کے حجابات کو بیان کیا ہے:

(ا) طبیعت کا حجاب (ب) رسم کا حجاب (ج) نافہمی کا حجاب

(ا) طبیعت کا حجاب: اس کو حجابِ نفس بھی کہا جاتا ہے۔ انسانی سرشت میں بھوک اور جنسی خواہش کا جذبہ پیدائشی طور پر موجود ہوتا ہے۔ اس طرح اس پر خوشی وغم' غیظ و غضب' خوف و اندیشہ کے ان گنت حالات گزرتے ہیں۔ ہر حالت اس کو اپنی طرف مائل کرتی ہے۔ ان کے اثرات نفس پر پڑتے رہتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ان حالتوں اور

طبعی خواہشات میں پھنس کر رہ جائے تو یہ حالت سعادت کے حصول میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

(ب) رسم کا حجاب: اس کا دوسرا نام حجاب دنیا ہے۔ ہر معاشرے کے اپنے طور طریقے، رسومات وغیرہ ہوتی ہیں۔ شعور کی آنکھ کھلتے ہی ہر فرد کو ان سے پالا پڑتا ہے۔ فرد عموماً ان طور طریقوں کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ بعض افراد ان میں حد سے زیادہ مستغرق ہو جاتے ہیں اور موت تک ان کو ان رسومات کی مشغولیت سے فرصت نہیں ملتی۔ یہ حالت اعلیٰ اوصاف کے حصول میں رکاوٹ کا باعث ہوتی ہے۔

(ج) نافہمی کا حجاب: جب فرد کا فہم درست ہوتا ہے تو وہ دلائل کی بدولت جان لیتا ہے کہ اللہ اس کا پروردگار اور منعم ہے۔ چنانچہ وہ اس سے اپنی حاجتیں طلب کرتا ہے اور اس کے قرب کا طلب گار رہتا ہے، مگر نافہمی کے حجاب کی بدولت صراطِ مستقیم سے ہٹ جاتا ہے۔ اس کے دو پہلو شاہ صاحب نے بیان کئے ہیں۔

i) خالق میں مخلوق کی صفات کا اعتقاد کرنا

ii) مخلوق میں اللہ کی صفات کو ثابت کرنا

پہلی حالت کو ''تشبیہ'' جبکہ دوسری کو ''شرک'' کہتے ہیں۔

مراجع ومصادر

۱۔ مولانا عبید اللہ سندھی، اردو شرح حجۃ اللہ البالغہ، بیت الحکمت، لاہور ۱۹۵۰ء

۲۔ مولانا عبدالحق حقانی، ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ، دارالاشاعت کراچی

۳۔ مولانا عبدالرحیم، ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ (حصہ اوّل)، قومی کتب خانہ لاہور، ۱۹۸۳ء

۴۔ جی این جلبانی The Teachings of Shah Waliullah dehlvi شیخ محمد اشرف، لاہور، ۱۹۷۹ء

۵۔ ڈاکٹر اسرار احمد، امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ حکمت قرآن ۱۹۹۱ء مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، تجدید و احیائے دین، اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۸۲ء

۷۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۸ء

۸۔ علامہ محمد اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلام، بزم اقبال، کلب روڈ لاہور، ۱۹۸۳ء

۹۔ حفیظ ملک، Muslim Nationalism in India and Pakistan، پبلک افیئرز پریس امریکہ، ۱۹۶۳ء

اسلامی تحقیق کا مفہوم، مدّعا اور طریق کار (۳)

ہمارے تحقیق اسلامی کے اداروں کے سامنے کرنے کا اصل کام

تحریر: ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم

ہمارے معاشرہ کے موجودہ حالات درحقیقت کس چیز کے مقتضی ہیں

جس چیز کو ہم معاشرہ کا ایک ناگزیر ارتقائی تغیر سمجھ رہے ہیں، جو ہمارے خیال میں اجتہاد اور نئے قوانین کا تقاضا کرتا ہے، وہ درحقیقت مغرب کی تقلید میں ہماری عام اخلاقی گراوٹ، غیر اسلامی نظریات سے ہماری محبت اور اسلام کے اخلاقی اور دینی ضبط اور نظم سے ہماری نفرت اور بغاوت کے عوامل ہیں جو ایک دوسرے پر عمل اور ردّ عمل کر رہے ہیں۔ یہ تمام حالات اسلام پر ہمارے یقین کے انحطاط کی علامات کے سوائے اور کچھ بھی نہیں۔ موجودہ صورت میں ہمارا اجتہاد، جو باطل ہوگا، ان افسوس ناک حالات کو بہتر نہیں بلکہ بدتر بنائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اجتہاد شریعت کے وقار کو اور اس کے ساتھ پورے اسلام کے وقار کو اور کم کرے گا، جس سے ہمارا یقین اور مضمحل ہو جائے گا اور ہم میں سے بعض لوگ جن کا ایمان پہلے ہی کمزور ہے ناحق اور ناروا طور پر یہ سمجھنے لگیں گے کہ اسلام ایک وقتی نظریہ حیات تھا جو حالات کے ساتھ بدل گیا ہے۔ لیکن اسلام کی ساری تاریخ بتا رہی ہے کہ ایسے اجتہاد کو سچے مسلمانوں نے کبھی قبول نہیں کیا اور اس کے باوجود سچا اسلام ہمیشہ زندہ اور باقی رہا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اقبال نے کہا ہے کہ یقین و ایمان کے انحطاط کے اس دور میں متقدمین کے قدم پر چلنا اس سے بدرجہا بہتر اور محفوظ تر ہے کہ ایسے لوگوں کا اجتہاد قبول کیا جائے جو نورِ ایمان سے محروم ہو چکے ہوں۔

ان حالات کا صحیح علاج یہ نہیں کہ ہم نئے قوانین وضع کریں جو ہمارے اعمال و افعال کو زیادہ سے زیادہ مصنوعی اور سطحی طور پر بدل سکتے ہیں، بلکہ ان کا صحیح علاج یہ ہے کہ ہم اسلام کے جدید نظام تعلیم کو نافذ کریں جس میں خدا کا تصور تمام طبیعیاتی، حیاتیاتی اور نفسیاتی یا انسانی اور اجتماعی علوم کو منظم کرنے والا محوری اور مرکزی تصور ہو۔ صرف

ایسا نظام تعلیم ہی فرد کو ذہنی طور پوری طرح سے بدل کر درست کر سکتا ہے۔ یہ نہ تو کوئی دیانت داری ہے اور نہ انصاف کہ ہم پہلے خود ہی ایک ایسا تعلیمی اور ثقافتی ماحول پیدا کریں جس میں فرد کی ذہنی اور نفسیاتی تربیت صرف اس طرح سے ہو سکے کہ وہ اسلام کے نقطۂ نظر سے سوچنے اور کام کرنے کے قابل نہ رہے۔ اور پھر یہ شکایت کریں کہ اس کے اعمال و افکار درست نہیں اور ایسے قوانین وضع کریں جو اس کے نادرست اعمال میں ایک بیرونی مصنوعی دباؤ کی صورت میں رکاوٹ پیدا کریں۔ قوانین صرف وہاں کام کرنے کے لئے وضع کئے جاتے ہیں جہاں تعلیم ناکام رہ گئی ہو۔ ہمارے لئے اس بات کا کوئی جواز موجود نہیں کہ ہم تعلیم کی اصلی دلوں کو بدلنے والی قوت کو آزمانے کے بغیر قوانین کی مصنوعی قوت سے کام لیں جو ہمارے ظاہری اعمال کو بھی بدل نہیں سکتی۔ تعجب کا مقام ہے کہ ہم معاشرہ کو جدید اسلامی نظام تعلیم کے ذریعہ سے حقیقی معنوں میں اور بنیادی طور پر بدلنے کی بجائے اسے مصنوعی اور سطحی طور پر بدلنے کے لئے موجودہ اسلامی قوانین کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں' حالانکہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ جب قوانین پر عمل کرنے کی نیت موجود نہ ہو تو ان کی زد سے بچ کر نہایت آسانی کے ساتھ ان کی خلاف ورزیاں کی جاسکتی ہیں۔

لیکن جدید اسلامی نظامِ تعلیم' جو نہ صرف اسلامی ہونا چاہئے بلکہ علمی اور عقلی لحاظ سے بھی محکم اور غیر متزلزل بنیادوں پر قائم ہونا چاہئے' اس بات پر موقوف ہے کہ آیا ہم تعلیم کا کوئی معقول اور صحیح فلسفہ' جو لازماً اسلامی فلسفہ ہوگا' پیدا کر سکتے ہیں یا نہیں۔ اور تعلیم کا ایسا فلسفہ انسان اور کائنات کی صحیح علمی اور عقلی توجیہہ دوسرے لفظوں میں اسلام کی سائنسی اور حکمیاتی توجیہہ کے ایک جزو کے طور پر ہی وجود میں آسکتا ہے' ورنہ وجود میں نہیں آسکتا۔ اور ہم دیکھ چکے ہیں کہ اسلام کی یہی سائنسی اور حکمیاتی توجیہہ ہے جو اسلامی نظام قوانین کی ایک ہی ممکن بنیاد بھی ہے۔ غرض ہم جس نقطۂ نظر سے بھی دیکھیں ہماری فوری ضرورت یہ نہیں کہ ہم اسلام کے قوانین کو بدل دیں بلکہ یہ ہے کہ ہم اصلی اور صحیح قسم کی اسلامی تحقیق کے ذریعہ سے اسلام کی حکمیاتی اور سائنسی توجیہہ پیدا کر کے اسلام پر اپنے ایمان کو تازہ کریں اور اسلام کی صحیح علمی اور عقلی واقفیت سے اپنے آپ کو مسلح کریں تاکہ محض عالم انسانی کا ایک جزو ہونے کی وجہ سے ہم جس نظریاتی جنگ میں

مجبوراً شریک ہیں اس میں فتح پائیں اور شکست کھا کر مٹنے سے محفوظ رہیں۔

میکانکی تحقیق کی ایک نئی قسم

جو لوگ اسلام کی محبت سے بے نصیب ہو کر دل ہی دل میں غیر اسلامی نظریات کی طرف مائل ہو چکے ہیں' ان کی اس خواہش نے کہ اسلامی قوانین کو بدل دینا چاہئے' پاکستان میں ایک نئی قسم کی میکانکی تحقیق کو جنم دیا ہے جسے بہت سے مسلمان غلطی سے اسلامی تحقیق سمجھتے ہیں۔ پہلے اس بات کی خواہش کرنا کہ اسلامی قوانین کو غیر اسلامی نظریات کی سمت میں بدل دیا جائے اور پھر اس خواہش کی تکمیل کے لئے موافق حالات پیدا کرنے کی غرض سے ایسی صحافتی قسم کی کتابیں تیار کرنا جن میں ہمارے علماء متقدمین و متاخرین کے موجودہ علمی ذخیروں کو بلکہ قرآن اور حدیث کے ترجموں کو بھی ایک نئی ترتیب' نئی زبان اور نئے مفہوم کا جامہ پہنایا گیا ہو جو اس خواہش سے مطابقت رکھتا ہو' ایک ایسا عمل ہے جسے ہم ایک خاص مقصد سے انجام دی ہوئی میکانکی قسم کی کتاب سازی تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسلامی تحقیق کا نام نہیں دے سکتے۔ اس کا مقصد یہ نہیں کہ اصلی اور حقیقی اسلام کی علمی' عقلی اور حکیماتی بنیادوں کو دریافت کیا جائے اور واضح کیا جائے بلکہ یہ ہے کہ اس اسلام کو بدل دیا جائے اور جس حد تک بھی ممکن ہو غیر اسلامی نظریات اور ان کے تصورات کے قریب تر لایا جائے تاکہ ان نظریات کے چاہنے والوں کو اسلام سے مطمئن کیا جا سکے۔ لیکن اس قسم کی میکانکی تحقیق کا شوق رکھنے والے اس بات کو فراموش کر جاتے ہیں کہ وہ جن نظریات سے توافق کی آرزو رکھتے ہیں وہ خود ناپائیدار ہیں اور اپنا کوئی مستقبل نہیں رکھتے۔ اور صرف ایک ہی نظریۂ حیات یہ صلاحیت رکھتا ہے کہ وہ تاقیامت زندہ اور قائم رہے اور یہ وہی اسلام ہے جو حضور ﷺ نے ہم میں چھوڑا تھا اور جس پر صحابہؓ نے عمل کیا تھا۔

اس قسم کی میکانکی تحقیق کے مقصد اور طریق کار سے آشکار ہے کہ اسے انجام دینے کے لئے کسی بڑی علمی قابلیت کی ضرورت نہیں۔ چونکہ غیر اسلامی نظریات کے تصورات کی طرف جھکنا اور اسلام کی بجائے ان کی حمایت خود کرنا اور دوسروں کو ان کی حمایت پر آمادہ کرنا ایک لاشعوری عمل ہوتا ہے۔ لہٰذا جو لوگ اس عمل کا شکار بنتے ہیں یہ سمجھتے ہیں

کہ انہوں نے اپنی ذہانت سے اسلام کی ایک نہایت ہی حیرت انگیز' اچھوتی اور دلکش تشریح دریافت کرلی ہے اور وہ اسے پیش کرکے اسلام کو بچانے اور ہرلعزیز بنانے کی ایک نہایت ہی بے نظیر خدمت بجالا رہے ہیں جو دور حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

علمائے متقدمین کی اسلامی تحقیق ہمارے زمانہ کے چیلنج کا جواب نہیں بن سکتی

بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ اسلام کی سائنسی اور حکیماتی تشریح جس کی ہمیں اس زمانہ میں ضرورت ہے شاہ ولی اللہ' امام غزالی اور دوسرے مقتدر ائمہ دین کی اسلامی تحقیق کے اندر پہلے سے ہی موجود ہے اور اب ہمیں اسلام کی مزید کسی علمی تشریح کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ خیال درست نہیں۔ ان بڑے بڑے ائمہ اور فضلاء کی اسلامی تحقیق خواہ ان کے اپنے زمانہ کے علمی چیلنج کے جواب کے طور پر کیسی ہی گراں قدر اور کارآمد کیوں نہ ثابت ہوئی ہو تاہم وہ جس صورت میں اس وقت ہمارے سامنے موجود ہے' ہماری اس کوشش میں کہ ہم اسلام کی طرف سے اس زمانہ کے علمی چیلنج کا کافی اور شافی جواب مہیا کریں' ہماری ذرا بھی مدد نہیں کرسکتی۔ اس زمانہ کے حکیمانہ تصورات اور نظریات جو اسلام سے ٹکراتے ہیں اور جن کی تردید پیش کرنا ہمارا فرض ہے' مثلاً مارکسزم' ڈارونزم' فرائڈزم' ایڈلرزم' میکڈوگلزم' بی ہیویرزم' لاجیکل پازیٹوزم شپنگلرزم' ٹائنبزم وغیرہا' جو عصر حاضر کی مخصوص علمی فضا کی پیداوار ہیں اپنی نوعیت اور اپنے طرزِ استدلال کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں اور ہمارے بڑے بڑے متقدمین علماء اور فضلاء ان سے قطعی طور پر ناآشنا تھے۔ لہٰذا یہ خیال کرنا کہ وہ اپنی کتابوں میں ان کی تردید مہیا کرچکے ہیں حد درجہ کی سادگی ہے۔ چونکہ ہم ہی ان سے واقف ہوئے ہیں لہٰذا اسلام کی مدافعت کرنے اور اس کے علمی اور عقلی مقام کو بلند رکھنے کے لئے ان کی تردید بہم پہنچانا ہمارا ہی کام ہے۔ ہر دور کا علمی چیلنج مختلف ہوتا ہے اور اس کا جواب ان ہی مسلمانوں کو دینا ہوتا ہے جو اس دور میں زندگی بسر کرنے کی وجہ سے اس چیلنج کا سامنا کررہے ہوں۔

اس بات کے علاوہ' جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے' اسلامی تحقیق کے فاضل کا کام نہ صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے غلط فلسفیانہ تصورات کی تردید کرے اور ان کو غلط

ثابت کرے' بلکہ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے صحیح فلسفیانہ تصورات کی مدد سے' جو صحیح ہونے کی وجہ سے لازماً اسلام کی تائید کریں گے' اسلام کو عقلی اور علمی لحاظ سے زیادہ دلکش' زیادہ مضبوط اور زیادہ یقین پرور بنائے۔ جس طرح سے اس دور کے غلط فلسفیانہ تصورات صرف اسی سے مخصوص ہیں اسی طرح سے وہ صحیح فلسفیانہ تصورات جو اس زمانہ میں آشکار ہوئے ہیں اسی کا طغرائے امتیاز ہیں۔ یہ ثانی الذکر تصورات اوّل الذکر تصورات میں اس طرح سے دبے ہوئے ہوتے ہیں جس طرح کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں جواہرات۔ جب تک ہم نئے کوڑے کرکٹ کو برباد نہ کریں ہم نئے جواہرات تک نہیں پہنچ سکتے۔ غرض ہمیں اس زمانہ میں اصلی اسلامی تحقیق کے کام کو نہ صرف اس لئے انجام دینا پڑے گا کہ ہم نئے علمی کوڑے کرکٹ کو تباہ کرنا چاہتے ہیں بلکہ اس لئے بھی کہ ہم نئے علمی جواہرات کو جو اس میں پڑے ہیں اپنے قبضہ میں لینا چاہتے ہیں۔

غلط فلسفیانہ تصورات کی ان تردیدوں کے نقائص جو اَب تک پیش کی گئی ہیں

پھر شاید یہ کہا جائے کہ اس زمانہ میں بھی کئی علماء اسلام عصر حاضر کے غلط فلسفیانہ نظریات کی تردیدیں مہیا کرنے کی کوشش کر چکے ہیں' لیکن ان تمام تردیدوں کا مشترک نقص یہ ہے کہ وہ ان نظریات کے ایسے مطالعہ پر مبنی نہیں جو مخالفت کے جذبہ سے الگ ہو کر منصفانہ اور ہمدردانہ طور پر کیا گیا ہو۔ لہٰذا وہ ان کی صحیح اور مکمل واقفیت پر قائم نہیں۔ اس کے علاوہ وہ بہت سے سوالات پیدا کرتی ہیں جن کا جواب نہیں دیتیں اور حقیقت انسان و کائنات کے بہت سے مسلمہ اور درست حقائق کو اپنے پیش کئے ہوئے قرآنی نظریہ کائنات کے ساتھ متعلق نہیں کرتیں اور ایک بگڑی ہوئی صورت میں بدستور غیر اسلامی نظریات کے ساتھ متعلق رہنے دیتی ہیں۔ لہٰذا وہ تشنہ اور نامکمل اور ناتمام رہ جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا علمی اور عقلی معیار دورِ حاضر کے مسلمہ علمی اور عقلی معیاروں کے مطابق نہیں اور وہ فلسفیانہ استدلال اور حکیمانہ تشریح اور تفسیر کے رائج الوقت طریق اور تکنیک کی پیروی نہیں کرتیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ ان نظریات کے غیر مسلم ماننے والوں اور مسلمان ہمدردوں کو قائل نہیں کر سکتیں' لہٰذا بالکل بے اثر اور بے کار ہیں۔ ان کا مقصد زیادہ تر یہ ہے کہ ان مسلمانوں کو خوش کیا جائے جو زمانہ کے علمی چیلنج

سے بے خبر ہونے کی وجہ سے صحیح قسم کی اسلامی تحقیق کو کام میں لا کر اس چیلنج کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے اور حکمت اسلام کے اس علم سے مطمئن ہیں جو اس وقت تک میسر ہے اور غیر مسلموں کے سامنے پوری طرح سے پایۂ ثبوت تک پہنچانے کے بغیر اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام ماضی اور مستقبل کے تمام فلسفوں سے زیادہ معقول اور مدلل ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اسلام کے ایسے مکمل نظامِ حکمت کے بغیر جو کائنات کے تمام معلوم اور مسلم اور درست حقائق کو تسلیم کرتا ہو اور واضح کرتا ہو' کوئی چیز بھی ان حکیمانہ تصورات کا مکمل' مستقل اور یقین پرور جواب نہیں بن سکتی جو اس وقت ہمارے دین کی بنیادوں کے ساتھ ٹکرلے رہے ہیں۔

اسلامی تحقیق کے فن کی تعلیم اور تربیت ضروری ہے

شاید یہ بھی کہا جائے کہ شاہ ولی اللہ اور امام غزالی ایسے ائمہ دین جنہوں نے اسلام پر قیمتی تحقیقی اور تخلیقی کام کیا ہے نادر شخصیتیں تھیں جن میں اس قسم کے کام کی غیر معمولی خداداد صلاحیتیں تھیں اور ہمارے لئے یہ مشکل ہو گا کہ ہم اسلام پر اعلیٰ معیار کا اصلی تحقیقی کام' جس کی ہمیں اس وقت ضرورت ہے' ایسے عالموں کی خدمات کے ذریعہ سے حاصل کر سکیں جو ہمارے بہترین دماغ ہونے کے باوجود قدرت کی عطا کی ہوئی تخلیقی قابلیتوں سے بہرہ ور نہیں۔ اس اعتراض کے جواب میں میرا مؤدبانہ التماس یہ ہے کہ ہر قوم میں ایسے افراد کافی تعداد میں ہوتے ہیں جن کو قدرت نے ہر قسم کی صلاحیتوں سے بہرہ ور کیا ہوتا ہے۔ لیکن ان کی صلاحیتیں بالعموم مخفی رہتی ہیں' خواہ قوم کو ان کی صلاحیتوں کی کیسی ہی شدید ضرورت کیوں نہ ہو۔ لیکن جب تک کوئی صلاحیتوں کا مالک اتفاقاً ایسے حالات میں رہنے کا موقعہ نہ پائے جو ان کے مکمل اظہار اور نشوونما کے لئے خاص طور پر سازگار ہوں' اس وقت تک وہ آشکار نہیں ہوتیں۔ سینکڑوں شاہ ولی اللہ اور غزالی ایسے ہوں گے جو سازگار حالات نہ پانے کی وجہ سے شاہ ولی اللہ اور غزالی نہیں بن سکے۔ اگر ہم بہت سے ذہین' اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اسلام دوست نوجوانوں کو ایسے حالات مہیا کریں جو اسلامی تحقیق کی قابلیتوں کی نشوونما کے لئے موافق ہوں تو کوئی وجہ نہیں کہ ان میں سے چند نہایت عمدگی اور کامیابی کے ساتھ اسلامی تحقیق کا وہ کام انجام نہ

دے سکیں جس کے بغیر ہماری بقا خطرہ میں ہے۔

اسلامی تحقیق کے فاضل کی ضروری علمی قابلیتیں

چونکہ اسلامی تحقیق کا مقصد یہ ہے کہ دور حاضر کے غلط فلسفیانہ نظریات اور تصورات نے اسلام کو جو چیلنج دے رکھا ہے اس کا تسلی بخش جواب مہیا کیا جائے' لہٰذا جدید فلسفیانہ تصورات کا علم اور فہم اور جدید فلسفیانہ طرز استدلال کی واقفیت اور مہارت اسلامی تحقیق کے فاضل کی ضروری قابلیتیں شمار ہوں گی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سائنسی علوم مثلاً طبیعیات' حیاتیات اور نفسیات سے ایک عام واقفیت رکھتا ہو' بالخصوص ان علوم کی ان ترقیوں سے جو اس بیسویں صدی میں رونما ہوئی ہیں یہاں تک آشنا ہو کہ ان کے فلسفیانہ مضمرات اور نتائج کو سمجھ کر کام میں لاسکے۔ سائنس کی واقفیت سے اسے ایک اور فائدہ یہ حاصل ہوگا کہ وہ سائنسی طریق تحقیق اور طریق بیان کو سمجھنے کی وجہ سے اپنی طرزِ تحریر کو معقولیت اور برجستگی کے سانچوں میں ڈھال سکے گا۔ یہ کہنا ضروری نہیں کہ اسے کم از کم تحریری عربی زبان کی درجہ اول کی واقفیت حاصل ہونی چاہئے' کیونکہ یہ اس کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر وہ قرآن اور حدیث اور فقہ کی کتابوں کے مطالب اور مضامین تک براہ راست دسترس نہیں پا سکتا۔ ایک اور خصوصیت جو اس کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے محبت رکھتا ہو اور اس کی عائد کی ہوئی اخلاقی اور دینی پابندیوں کو بطیب خاطر قبول کرتا ہو۔

وہ شخص جو ایک فلسفی کی تربیت' مہارت اور بصیرت سے بے بہرہ ہو اور آج تک کے تمام فلسفیانہ تصورات اور سائنس کے تازہ انکشافات کے فلسفیانہ مضمرات کی پوری واقفیت نہ رکھتا ہو تو خواہ اسے قرآن اور حدیث اور فقہ اور علماء متقدمین کی تمام کتابیں ازبر ہوں وہ اصلی اسلامی تحقیق کے کام کو مطلقاً انجام نہیں دے سکتا' کیونکہ اس صورت میں وہ جان نہیں سکتا کہ ان تصورات پر اسلام کی تنقید کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی قابلیتوں کے افراد پوری تعداد میں اور بآسانی میسر نہیں آسکتے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارے ملک کا کوئی اسلامی تحقیق کا ادارہ کسی ایک فاضل کی راہنمائی میں' جو دوسروں سے زیادہ ان قابلیتوں کا مالک ہو' ہر سال چند موزوں تعلیم یافتہ افراد

میں خاص تعلیم و تربیت کے ذریعہ سے ان قابلیتوں کو پیدا کرے تاکہ اسلامی تحقیق کا کام خاطر خواہ طریق سے جاری رہ سکے۔ ان افراد کو معقول تنخواہیں دی جائیں اور تعلیم و تربیت سے فارغ ہونے کے بعد ماہر تحقیق اسلامی کی معتبر سندیں دی جائیں۔

تحقیق اسلامی کی تعلیم و تربیت کے ضروری نکات

اسلامی تحقیق کے راہ نما فاضل کو چاہئے کہ ہر فاضل پر جو اس کے زیر تربیت ہے دورانِ تربیت اچھی طرح سے واضح کردے کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ :

(۱) قرآن حکیم کی روح سے پوری طرح سے واقفیت پیدا کرے۔ اگر وہ قرآن کی روح سے واقف نہیں ہوگا تو اس کیلئے ناممکن ہوگا کہ وہ غلط فلسفیانہ تصورات کو صحیح فلسفیانہ تصورات سے ممیز کرسکے۔ اس کے سارے تحقیقی اور تخلیقی کام کی اہمیت کا دارومدار اس بات پر ہے کہ آیا وہ غلط تصورات کو صحیح تصورات سے تمیز کرسکتا ہے یا نہیں۔ لہٰذا اسے اپنے وقت کا بہت سا حصہ قرآن و حدیث اور سیرتِ رسول ﷺ و صحابہ اور اُمت کے صلحاء و صوفیا کی سوانح حیات کے مطالعہ میں صرف کرنا ہوگا۔

(۲) ان فلسفیانہ نظریات اور تصورات سے پوری پوری واقفیت پیدا کرے جو اسلامی نظریہ انسان و کائنات سے مغائرت رکھتے ہیں اور جن کو اسے غلط اور بے بنیاد ثابت کرنا ہے۔

اس غرض کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان نظریات اور تصورات کے اصلی ماخذ کا براہ راست اور ہمدردانہ مطالعہ کرے۔ جب تک ہم کسی کامیاب اور بڑے فلسفی کے افکار کا مطالعہ ہمدردانہ نقطۂ نگاہ سے نہ کریں ہم اس کو ٹھیک طرح سے نہیں سمجھ سکتے اور جب تک ہم اسے ٹھیک طرح سے نہ سمجھیں ہم اس کی غلطیوں کو آشکار نہیں کرسکتے۔

(۳) دورِ حاضر کے فلسفیانہ نظریات اور جدید سائنسی انکشافات کے فلسفیانہ مضمرات اور نتائج سے مکمل واقفیت پیدا کرے۔

(۴) اپنی تحقیق کے نتائج کو ضبط تحریر میں لاتے ہوئے یہ بات ذہن میں رکھے کہ دنیا بھر میں چوٹی کے غیر مسلم علماء اور حکماء اس کے مخاطب ہیں۔ کیونکہ صرف اسی صورت میں

وہ زیر تحقیق علمی مسائل پر ایسے خالص سائنسی اور غیر جانبدارانہ نقطۂ نظر سے بحث کر سکے گا جو غیر مسلم اور مسلمان دونوں کے لئے یقین افروز ہو۔

(۵) اس بات کی کوشش کرے کہ جس غلط تصور کو وہ غلط ثابت کر رہا ہے اس کی جگہ صحیح تصور کو رکھے اور یہ صحیح تصور جس قدر سوالات پیدا کر رہا ہو ان سب کا تسلی بخش جواب دے۔ فلسفیانہ مسائل میں ایک منفی نقطۂ نظر یقین پیدا نہیں کر سکتا۔ لیکن جب کسی صحیح تصور کے پیدا کئے ہوئے تمام سوالات کا جواب دیا جائے تو ایک مکمل فلسفۂ کائنات وجود میں آجاتا ہے۔ بالخصوص ایسی حالت میں جب کہ وہ غلط تصورات جس کی جگہ یہ صحیح تصور لے رہا ہے کسی اور غلط فلسفہ کائنات کا جزو ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ انسان اور کائنات کا ایک مکمل صحیح فلسفہ پیدا نہ کرے وہ کسی غلط فلسفیانہ تصور کو غلط ثابت نہیں کر سکتا۔

مثال کے طور پر جب تک وہ ایک ایسا اسلامی فلسفہ تاریخ پیدا نہ کرے جو عقلی اور علمی لحاظ سے مکمل طور پر قابل قبول ہو وہ بے خدا اشتراکی فلسفہ تاریخ کا ابطال نہیں کر سکے گا۔ پھر اس کا یہ اسلامی فلسفہ تاریخ بہت سے سوالات پیدا کرے گا جو اس کو فلسفہ کے اور مسائل میں کھینچ لائیں گے اور اگر وہ ان سوالات کا بھی جواب دے گا جیسا کہ اسے ضرور دینا چاہئے تو پھر اس کا فلسفہ تاریخ محض ایک فلسفہ تاریخ ہی نہیں رہے گا بلکہ کائنات کا ایک مکمل فلسفہ بن جائے گا۔ اسی طرح سے جب تک کہ وہ عمل ارتقاء کے سبب کا کوئی ایسا فلسفہ مہیا نہ کرے جو قرآن کے نظریہ انسان و کائنات کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہو اور علمی اور عقلی نقطۂ نظر سے مکمل طور پر تسلی بخش بھی ہو اس وقت تک وہ ڈارون کے بے خدا میکانکی نظریہ کائنات کی کامیاب تردید نہیں کر سکے گا۔ پھر اس کے قرآنی نظریہ تاریخ کی طرح اس کا قرآنی نظریہ ارتقاء بھی بہت سے سوالات پیدا کرے گا جن کا جواب ایک مکمل فلسفہ کائنات کی صورت اختیار کرے گا۔

(۶) جب وہ کسی غلط نظریہ کو غلط ثابت کرتے ہوئے بعض تصورات کو درست قرار دے کر ان کی مدد لے تو کسی دوسرے نظریہ کو غلط ثابت کرتے ہوئے ان کو غلط قرار نہ دے۔ اسی طرح سے جب وہ کسی صحیح قرآنی تصور کو درست ثابت کرتے ہوئے

بعض تصورات کو غلط قرار دے دے تو پھر کسی دوسرے صحیح قرآنی تصور کو درست ثابت کرتے ہوئے ان کو صحیح قرار نہ دے۔ اور پھر جب وہ کسی غلط تصور کو غلط ثابت کرتے ہوئے بعض تصورات کو غلط قرار دے دے تو کسی اور تصور کو غلط ثابت کرتے ہوئے ان کو درست قرار نہ دے۔ اس کے برعکس اس کے لئے ضروری ہے کہ ہر تصور کے بارہ میں ایک ہی موقف پر قائم رہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی تصور کے درست یا نادرست ہونے کے بارہ میں وہ ایک ایسا موقف اختیار کرے جس سے وہ ہر حالت میں وابستہ رہ سکتا ہو۔ دوسرے لفظوں میں وہ اس بات کو اچھی طرح سے سمجھ لے کہ مختلف غلط نظریات اور تصورات کو غلط ثابت کرنے کی جو کوشش وہ کرے گا وہ اسی صورت میں بے خطا اور کامیاب ہوگی جب وہ ان سب کی تردید کے لئے صرف ایک ہی نظریہ کائنات کو' جو ظاہر ہے کہ صحیح اور قرآنی نظریہ کائنات ہی ہوگا' کام میں لائے گا۔ اس صورت میں اس کے اسلامی نظریہ تاریخ کو مکمل کرنے والا فلسفہ کائنات اور اس کے نظریہ ارتقا کو مکمل کرنے والا فلسفہ کائنات' جن کا ذکر اوپر الگ لگ کیا گیا ہے' دونوں ایک دوسرے سے ذرہ بھر مختلف نہیں ہو سکتے اور دونوں ایک ہی ہوں گے۔

صحیح فلسفۂ کائنات صرف ایک ہے اور وہ اسلام کا فلسفۂ کائنات ہے

اسلام کے ضمن میں جب فلسفہ کا ذکر آتا ہے تو بعض مسلمان یہ کہا کرتے ہیں کہ اسلام کا فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ خیال بہت بڑی غلطی ہے۔ حکمت اور فلسفہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ قرآن مجید حکمت کی کتاب ہے اور "حکیم" خدا کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے۔ فلسفی صداقت کی تلاش کرتا ہے کیونکہ صداقت کے اندر ہی یہ صلاحیت ہے کہ وہ علمی اور عقلی لحاظ سے درست ہو اور درست ثابت کی جا سکے۔ فلسفی صداقت کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے اور اسے صداقت نہیں ملتی۔ لیکن خدا تو بات ہی وہ کہتا ہے جو از سرتاپا صداقت اور حق ہوتی ہے (وَقَوْلُهُ الْحَقُّ) لہٰذا اگر خدا کی بات حکمت نہیں تو اور کس کی بات حکمت ہے؟ پھر فلسفی کائنات کے بھید کو تلاش کرتا ہے اور اسے نہیں ملتا۔ یہی سبب ہے کہ وہ اپنے فکر اور استدلال میں غلطیاں کرتا ہے۔ لیکن خدا وہ ہے جو

کائنات کے بھید کو جانتا ہے' وہ دوسرے فلسفیوں کی طرح سر کائنات سے ناآشنا نہیں کہ اس کی بات سچی اور بے خطا حکمت نہ ہو۔ اسی بنا پر وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کی بات سچی ہے۔ ﴿ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ قرآن حکیم مجمل حکمت کائنات ہے' اور اس کی تفصیل اور تشریح بھی جو تا قیامت ہوتی رہے گی' حکمت کائنات ہے۔ یہی تشریح اور تفسیر کتابِ حکمت ہے جسے حضورؐ نے بھی سکھایا : ﴿ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ اور جسے خدا کے وہ بندے جنہیں خیر کثیر عطا ہو گی تا قیامت سکھاتے رہیں گے۔ ﴿ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا ﴾ اور جسے تبلیغ دین کے لئے کام میں لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾

ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ دنیا میں صرف ایک فلسفہ صحیح ہے اور باقی سب فلسفے غلط ہیں اور صحیح فلسفہ وہ ہے جو قرآن حکیم پر مبنی ہو اور جو خدا کے عقیدہ سے آغاز کرے اور خدا کے عقیدہ پر ختم ہو' لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اسلام کا فلسفہ سے کوئی تعلق نہیں۔ اگر اسلام ایک فلسفہ نہیں تو وہ دورِ حاضر کے فلسفوں کا جواب بھی نہیں دے سکتا۔ اور مسلمان ان غلط فلسفوں سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتے اور اس کو ساتھ لے کر اسلام کی تبلیغ اور اشاعت نہیں کر سکتے اور باطل فلسفہ کے پرستاروں کو مشرف باسلام نہیں بنا سکتے۔ لیکن قرآن تو نازل ہی اس لئے ہوا ہے کہ لوگ جن باتوں میں اختلاف کرتے ہیں ان کا فیصلہ کرے۔ جب ہم ایک معمولی آدمی سے ایسی بات کی توقع کرتے ہیں جو علم اور عقل کے معیاروں پر درست بیٹھتی ہو تو کیا خدا جو بات کرتا ہے اس سے یہ توقع نہیں کر سکتے۔ اگر خدا کی بات ان علمی اور عقلی معیاروں کے مطابق ہے جو انسان کے دل میں رکھے گئے ہیں تو پھر ان معیاروں کے مطابق خدا کی بات کھول کر بیان کرنا اسلام کا فلسفہ ہے جو اس زمانہ کے باطل نظریات کا جواب ہے اور ہمارے ایمان کا محافظ اور ہمارے ظن و شک کا علاج ہے۔ اس میں شک نہیں کہ دین اسلام عمل کے کچھ قواعد اور ضوابط پر مشتمل ہے لیکن یہ قواعد اور ضوابط بے معنی نہیں بلکہ قدرت کے غیر مبدّل قوانین پر مبنی ہیں جو فطرت انسانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ قواعد اور ضوابط خود بھی غیر مبدّل ہیں۔

﴿ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ .... ﴾

اگر چہ ایک ٹیلی ویژن سیٹ کا مالک جو اپنے سیٹ کے استعمال کے طریقے جانتا ہے اس سے پورا فائدہ اٹھا سکتا ہے' لیکن جب تک وہ ان قوانین قدرت کو نہیں جانتا جن پر یہ طریقے مبنی ہیں' وہ ٹیلی ویژن کا عالم یا ماہر نہیں سمجھا جا سکتا' کیونکہ وہ کسی شک کرنے والے کو یہ نہیں سمجھا سکتا کہ ٹیلی ویژن کیوں اور کس طرح سے کام کرتا ہے۔ اسی طرح سے جو شخص ان قوانین قدرت کو نہیں جانتا جن پر اسلام کے قواعد اور ضوابط مبنی ہیں وہ اس وقت تک اسلام کی پوری واقفیت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا اور مسلم یا غیر مسلم مفکرین کو کامیابی کے ساتھ اسلام کی دعوت نہیں دے سکتا۔ ان قوانین قدرت کا علم ہی اسلام کا فلسفہ یا حکمت دین ہے۔

حکمتِ دنیا فزاید ظن و شک
حکمتِ دینی برد فوق و فلک

(رومی)

القاسم اکیڈمی کی ایک علمی اور تاریخی پیش کش

حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ (تذکرہ وسوانح اور حیرت انگیز واقعات)

========== تالیف : مولانا عبدالقیوم حقانی ==========

• نام ونسب، ولادت، ابتدائی تعلیم • والدگرامی کا تذکرہ • عبادت وتقویٰ اور اخلاق وعادات • تصانیف اور علمی سرمایہ • نصائح، اقوال رشد وہدایت • کلمات طیبات • ذوق علم وادب • پسندیدہ اشعار • استفادہ وافادہ، اسفار اور تحصیل علم • اساتذہ اور تلامذہ • ابن مبارک کے بعض اصول حدیث، فقہی شغف اور اسناد کا اہتمام • امام اعظم کا فقہی مقام ابن مبارکؒ کی نظر میں • اہل علم حضرات کے لئے ایک بیش بہا تحفہ ☆☆ خوبصورت ٹائیٹل، کمپوزنگ، طباعت، کاغذ ہر لحاظ سے معیاری ☆☆ 45 روپے یا اسی مالیت کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر طلب کر سکتے ہیں۔

ناشر : ..... القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ سرحد پاکستان

امام حسن صغانی لاہوریؒ

۵۷۷ھ-۶۵۰ھ (بمطابق ۱۱۸۱ء-۱۲۵۲ء)

عبدالرشید عراقی

امام رضی الدین حسن صغانی لاہوری بن محمد بن حسن بن حیدر بن علی صاحب مشارق الانوار بلند پایہ محدث، فقیہہ اور امام لغت تھے۔ عربی النسل تھے اور ان کا تعلق قبیلہ قریش کی اس شاخ سے تھا جس میں خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تھے۔ جیسا کہ امام صغانی کا اپنا ایک شعر ہے

فقلتُ یا دھر سالمنی مسالمة

فانني عمري ثم صاغاني

''میں نے زمانہ سے کہا کہ میرے ساتھ صلح کرے، کیونکہ میں حضرت عمرؓ کی اولاد ہوں اور میرا وطن صغان ہے۔''

صغان ماوراء النہر کا علاقہ ہے۔ ان کے آباء و اجداد صغان سے ہجرت کر کے لاہور آ گئے تھے۔ مؤرخین نے اس بارے میں تصریح نہیں کی کہ امام صغانی کے بزرگوں میں سب سے پہلے کون لاہور آیا۔

ولادت

امام رضی الدین حسن صغانی ۵۷۷ھ بمطابق ۱۱۸۱ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔[1]

تعلیم

امام صغانی نے تعلیم کا آغاز اپنے والد محمد بن حسن سے کیا، جو اپنے دور کے متبحر عالم اور لغت و عربیت میں یکتائے زمانہ تھے۔ اس کے بعد عراق و حجاز جا کر اساطین علم و فن سے استفادہ کیا اور اپنے وقت کے امام حدیث و لغت قرار پائے۔

جامعیت

امام صغانی علومِ اسلامیہ کے جامع تھے اور تمام علوم میں ان کو مکمل دست گاہ حاصل تھی۔ ارباب سیر اور تذکرہ نگاروں نے ان کے علم وفضل اور صاحب کمال ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ علامہ آزاد بلگرامی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

وفنون کثیرہ تحصیل نمود واستعداد عالی بہم رسانیدہ (۲)

''متعدد فنون کی تحصیل کی اور ان میں عالی استعداد بہم پہنچائی۔''

مولانا عبدالحیٔ لکھنوی لکھتے ہیں:

ذامشارکۃ تامۃ فی العلوم (۳)

''علوم میں مکمل دست گاہ رکھتے تھے۔''

لیکن حدیث، فقہ اور لغت میں یکتائے زمانہ تھے اور ان علوم میں ان کو بہت زیادہ دسترس حاصل تھی۔ مولانا سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں:

''لغت اور حدیث کے امام قرار پائے''۔ (۴)

فقہ میں ان کے صاحب کمال ہونے کا اعتراف ابن عماد نے بھی کیا ہے (۵) اور مولوی رحمان علی بریلوی نے ''فقیہہ کامل بود'' لکھا ہے۔ (۶)

حدیث نبوی ﷺ سے امام صغانی کو خاص شغف تھا اور ان کی شہرت حدیث میں ان کے صاحب کمال ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ تذکرہ نگاروں نے حدیث میں ان کے صاحب کمال ہونے کا اعتراف کیا ہے اور ان کو ''امام حدیث'' کے لقب سے یاد کیا ہے۔ علامہ آزاد بلگرامی لکھتے ہیں:

در فقہ وحدیث وعلوم دیگر پایہ عالی داشت (۷)

''فقہ، حدیث اور دیگر علوم میں ان کا پایہ بہت بلند تھا۔''

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں کہ:

''آپ مختلف علوم مثلاً حدیث، لغت اور فقہ کے مسلم، صاحب مہارت امام تھے''۔ (۸)

امام صغانی شعر وسخن کا بھی بہت عمدہ ذوق رکھتے تھے اور خود بھی شعر کہتے تھے۔ مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے تذکرۃ المحدثین، جلد سوم میں ان کے حالات میں ان کے کئی اشعار نقل کئے ہیں۔

برصغیر میں حدیث کی نشر واشاعت اور امام صغانی

برصغیر (پاک وہند) میں امام صغانی پہلے محدث ہیں جنہوں نے یہاں علم حدیث کی روشنی پھیلائی اور یہاں علم حدیث کی خدمت و اشاعت میں گراں قدر خدمات انجام دیں۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ:

''شیخ اسمٰعیل کے بعد یہاں ڈیڑھ سو برس تک اندھیرا گھپ چھایا رہا ہے۔ بالآخر ساتویں صدی ہجری کے شروع میں ''مشارق الانوار'' کے مصنف صغانی نے یہاں علم حدیث کی روشنی پھیلائی' مگر یہ روشنی گھر میں کم اور گھر کے باہر زیادہ پھیلی۔''(۹)

رحلت وسفر

۳۸ سال کی عمر میں (۶۱۵ھ بمطابق ۱۲۱۸ء) امام صغانی بغداد چلے گئے اور وہاں کے اساطین علم وفن سے استفادہ کرنے کے بعد درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ قیام بغداد کے دوران آپ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے۔ اس وقت بغداد میں عباسی خلیفہ معتصم کی حکومت تھی۔ ۶۱۷ھ بمطابق ۱۲۲۰ء میں معتصم نے آپ کو سفیر کی حیثیت سے ہندوستان بھیجا۔ اس وقت یہاں سلطان شمس الدین التمش کی حکومت تھی۔ ۶۲۴ھ بمطابق ۱۲۲۶ء میں امام صغانی واپس بغداد چلے گئے لیکن دوسرے سال ۶۲۵ھ بمطابق ۱۲۲۷ء میں خلیفہ معتصم نے انہیں دوبارہ ہندوستان بھیجا۔ اُس وقت رضیہ سلطانہ بنت التمش فرماں روائے ہند تھی۔ لیکن بہت تھوڑے قیام کے بعد آپ دوبارہ بغداد تشریف لے گئے۔(۱۰)

وفات

امام رضی الدین حسن صغانی نے ۱۹ شعبان ۶۵۰ھ بمطابق ۱۲۵۲ء کو بغداد میں ۷۳ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ پہلے وہیں دفن کئے گئے۔ بعد میں ان کی وصیت کے مطابق ان کی نعش مکہ معظمہ لائی گئی اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔(۱۱)

تصانیف

امام صغانی بلند پایہ محدث' امام لغت اور فقیہہ تھے۔ ان کی تصانیف کمیت و کیفیت

دونوں حیثیتوں سے بہت عمدہ اوران کے صاحب کمال ہونے کی شاہد ہیں۔

علامہ آزاد بلگرامی ان کی تصانیف کے بارے میں لکھتے ہیں:

وتصانیف غرا پرداخت (۱۲)

''شاندار اور عمدہ کتابیں تصنیف کیں۔''

محی السنۃ مولانا نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے کہ امام صغانی کی تصانیف کے مطالعہ سے ان کے صاحب کمال ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ (۱۳)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے امام صغانی کی تصانیف کی تعداد ۴۱ بتائی ہے۔ (۱۴) تاہم آپ کی مشہور تصانیف یہ ہیں:

۱) درالسحابہ فی بیان مواضع وفیات الصحابہ (صحابہ کرام کے حالات وتراجم)
۲) شرح البخاری (حدیث)
۳) الشمس المنیرہ من الصحاح الماثورہ (فن حدیث)
۴) کتاب التوادر فی اللغات (لغت)
۵) العباب الزاخر واللباب الفاخر (لغت)
۶) مجمع البحرین (لغت)
۷) مشارق الانوار

مشارق الانوار

مشارق الانوار امام صغانی کی مشہور تصنیف ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے امام صاحب کی شہرت ومقبولیت میں بہت اضافہ ہوا۔ اس کا پورا نام ''مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ'' ہے۔

امام صاحب نے یہ کتاب عباسی خلیفہ مستنصر باللہ کے حکم پر تصنیف فرمائی اور یہی وہ کتاب ہے جو ہندوستان میں سب سے پہلے داخل نصاب کی گئی۔ مولوی سید حسن برنی مرحوم اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''امام صغانی ایک بلند پایہ مصنف تھے۔ ان کی تصانیف میں مشارق الانوار جس کا متن اور اردو ترجمہ شائع ہو چکے ہیں، بہت زیادہ مشہور اور متداول ہے۔ یہ مجموعۂ احادیث نہایت مقبول ہوا اور ہندوستان میں تو عرصہ دراز تک حدیث کی

انتہائی تعلیم کا دارومدار اس کتاب پر رہا''۔(۱۵)

ہندوستان کے علاوہ دنیائے اسلام میں بھی اس کتاب کو اہل علم نے قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

''بغداد میں بیٹھ کر خلیفہ مستنصر باللہ کے نام سے مشارق الانوار نام کی حدیث کی کتاب تصنیف کی۔ علمائے محدثین نے اس کتاب کی بڑی قدر کی اور بے شمار لوگوں نے اس کی شرحیں لکھیں اور خود یہ کتاب مدارس کے نصاب میں داخل ہوگئی''۔(۱۶)

مشارق الانوار کا شمار حدیث کی اہم اور معتبر کتابوں میں ہوتا ہے۔ اس میں درج تمام احادیث کی صحت پر علمائے کرام کا اتفاق ہے۔ خود امام صغانی اس کتاب کے بارے میں اس کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''یہ کتاب صحت وثوق اور اعتناء واستناد میں میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حجت ہے اور یہ دنیا میں مدۃ العمر میری رفیق وانیس ہوگی اور ان شاء اللہ عقبیٰ میں میرے لئے موجب شفاعت ہوگی۔''

علامہ عزیز الدین عبداللطیف بن عبدالعزیز' جنہوں نے اس کی شرح ''معارق الازہار'' کے نام سے لکھی' وہ فرماتے ہیں کہ:

''شیخ صغانی نے اسے نہایت خوبی سے مرتب کیا ہے' اور اس کا بہت عمدہ انتخاب کیا ہے۔''(۱۷)

مولانا سید نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

وترتیب ایں کتاب بسیار خوب وانیق واقع شدہ(۱۸)

''اس کتاب کی ترتیب بہت اچھے اور خوبصورت طریقہ پر کی گئی ہے۔''

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی لکھتے ہیں:

''علم حدیث میں مشارق الانوار جو تمام دنیا میں مشہور ومتداول ہے' اس میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سے احادیث کو انوکھی ترتیب پر منتخب کیا ہے۔''(۱۹)

مشارق الانوار میں احادیث کی تعداد ۲۲۴۶ ہے۔ یہ بارہ ابواب پر مشتمل ہے اور اکثر ابواب کے ذیل میں فصول وانواع بھی شامل ہیں۔

مشارق الانوار میں ہر حدیث کا حوالہ بھی دیا گیا ہے' جس کے لئے ''خ' م اور ق'' کی علامتیں اور رموز مقرر کئے گئے ہیں۔ ''خ'' سے صحیح بخاری' ''م'' سے صحیح مسلم

اور ''ق'' سے بخاری و مسلم (متفق علیہ) مراد ہیں۔

مشارق الانوار کی شروح

مشارق الانوار کے ساتھ علمائے حدیث نے بہت اعتناء کیا ہے۔ اس کی متعدد شرحیں اور حواشی لکھے گئے۔ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی لکھتے ہیں :

''امام صغانی کی تالیف مشارق الانوار حدیث کی نہایت مشہور و معتبر کتاب مانی جاتی ہے۔ اس کی مقبولیت کا اس ایک واقعہ سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ دسویں صدی ہجری تک (تقریباً ساڑھے تین سو برس میں) اس کتاب کی ۲۴' ۲۵ شرحیں اور حواشی ایسے لکھے جا چکے تھے جو بجائے خود مستقل اور بلند پایہ کتابیں ہیں''۔ (۲۰)

مولوی ابو یحییٰ خان نوشہروی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''صحاح ستہ کے بعد سب سے زیادہ شرحیں (مشارق الانوار کی) لکھی گئیں۔''(۲۱)

مشارق الانوار کے شارحین میں شیخ مجد الدین فیروز آبادی صاحب قاموس کا نام بھی آتا ہے۔ آپ نے چار جلدوں میں شرح لکھی۔ اس کے علاوہ مشارق الانوار کی مشہور شرح ''معارق الانہار'' ہے جو علامہ عزیز الدین عبداللطیف بن عبدالعزیز نے دو جلدوں میں لکھی۔ یہ شرح دولت عثمانیہ نے ۱۳۲۸ھ بمطابق ۱۹۱۰ء میں شائع کی۔

اردو تراجم

مشارق الانوار کا برصغیر میں کئی علمائے کرام نے اردو میں ترجمہ کیا۔ ذیل میں چند ایک اردو تراجم کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

مشارق الانوار کا سب سے معروف اردو ترجمہ اور شرح ''تحفۃ الاخیار'' ہے جو ہندوستان میں حدیث کی کسی کتاب کا سب سے پہلا ترجمہ ہے۔ مترجم کا نام مولانا خرم علی بلہوری ہے۔ مولوی ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ:

''کتب حدیث کا سب سے پہلا اردو ترجمہ یہی ''تحفۃ الاخیار'' ہے۔''(۲۲)

مولانا عبدالحلیم چشتی مرحوم نے بھی اپنے ایک مضمون میں اعتراف کیا ہے کہ:

''مشارق الانوار کا ہندوستان میں سب سے پہلا اردو ترجمہ ''تحفۃ الاخیار'' ہے''۔(۲۳)

تحفۃ الاخیار سب سے پہلے ۱۲۴۹ھ بمطابق ۱۸۳۳ء میں مطبع محمدی لکھنؤ سے شائع ہوا اور آج تک اس کے سولہ ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

مشارق الانوار کا دوسرا اردو ترجمہ مولانا الٰہی بخش بڑاکری بہاری نے کیا' جس کا نام'' تبصرۃ الاخبار فی تخریج الآثار '' رکھا۔ایک اور اردو ترجمہ مولانا سید عبد الغفور غزنوی امرتسری نے کیا جس کا نام''مشکوٰۃ الانوار لتسہیل مشارق الانوار'' ہے اور یہ ترجمہ مطبع فاروقی دہلی سے شائع ہوا۔

حواشی

(۱) مقالات سلیمان' ج ۲' ص ۴
(۲) مآثر الکرام' ج ۱' ص ۱۸۱
(۳) الفوائد البہیہ' ص ۲۹
(۴) مقالات سلیمان' ج ۲' ص ۴
(۵) شذرات الذہب' ج ۵' ص ۲۵۰
(۶) تذکرہ علمائے ہند' ص ۴۸
(۷) مآثر الکرام' ج ۱' ص ۱۸۱
(۸) تاریخ اہل حدیث' ص ۳۸۲
(۹) مقالات سلیمان ج ۲' ص ۴
(۱۰) نزہتہ الخواطر' ج ۱' ص ۱۳۷' ۱۳۸
(۱۱) اتحاف النبلاء' ص ۲۴۳
(۱۲) مآثر الکرام' ج ۱' ص ۱۸۱
(۱۳) اتحاف النبلاء' ص ۲۴۳
(۱۴) تذکرۃ المحدثین' ج ۳' ص ۲۶ تا ۳۶
(۱۵) معارف اعظم گڑھ' جولائی ۱۹۲۹ء' ص ۷' ۸
(۱۶) مقالات سلیمان ج ۲' ص ۴' ۵
(۱۷) تذکرۃ المحدثین' ج ۳' ص ۴۳
(۱۸) اتحاف النبلاء' ص ۱۴۷
(۱۹) تاریخ اہل حدیث' ص ۳۸۲
(۲۰) تاریخ ہند' جلد دوم' ص ۲۶۲
(۲۱) معارف اعظم گڑھ' دسمبر ۱۹۴۷ء' ص ۴۳۹
(۲۲) ایضاً' ص ۴۴۷
(۲۳) معارف اعظم گڑھ' جون ۱۹۵۷ء' ص ۴۴۴

☆ ☆ ☆

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں

عبادت صرف ربِّ ذُوالجلال کا حق ہے!

آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں

انتخاب و ترتیب: حافظ محمد سلیمان

عبادت صرف اسی ربّ ذوالجلال کی کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا، تمہارے لئے طرح طرح کی نعمتیں پیدا کیں۔ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت نہ کرو کہ وہ خالق نہیں، خود مخلوق ہیں اور مخلوق کی عبادت کرنا قوّت اور عزت والے خالق کائنات کی بے قدری ہے۔

۱) صرف اُس اللہ کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا' تم سے پہلوں کو پیدا کیا' زمین کا فرش بچھایا' آسمان کی چھت بنائی' بارش برسائی اور اس کے ذریعے ہر طرح کی پیداوار کا رزق تم کو دیا۔ جانتے بوجھتے دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۖ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ: ۲۱، ۲۲)

''لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس ربّ کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے۔ تمہارے بچنے کی توقع اسی صورت میں ہو سکتی ہے۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لئے رزق بہم پہنچایا۔ پس تم جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔''

۲) اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکت ہے جس نے جہان والوں کو خبردار کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور اُن پر قرآن مجید' فرقانِ حمید نازل فرمایا۔ وہ اللہ زمین اور آسمان کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں' کوئی بیٹا نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ اس نے ہر چیز کی تقدیر مقرر کی۔ (اور یہ مشرک کیسے لوگ ہیں کہ) انہوں نے خالق کائنات کو چھوڑ کر ایسے معبود بنا لئے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے، بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور یہ ایسے ''معبود'' ہیں جو اپنے لئے بھی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، جو نہ مار سکتے ہیں' نہ زندگی عطا کر سکتے ہیں' نہ مرے ہوؤں کو پھر اٹھا سکتے ہیں۔

﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ۝ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ۝ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ ﴾ (الفرقان: ۱-۳)

''نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا ہے' تاکہ سارے جہان والوں کے لئے خبردار کر دینے والا ہو۔ وہ جو زمین اور آسمانوں کی بادشاہی کا مالک ہے' جس نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا ہے' جس کے ساتھ بادشاہی میں کوئی شریک نہیں ہے' جس نے ہر چیز کو پیدا کیا' پھر اس کی ایک تقدیر مقرر کی۔ لوگوں نے اسے چھوڑ کر ایسے معبود بنا لیے جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتے' بلکہ خود پیدا کئے جاتے ہیں' جو خود اپنے لئے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتے' جو نہ مار سکتے ہیں نہ جلا سکتے ہیں اور نہ مرے ہوئے کو پھر سے اٹھا سکتے ہیں۔''

۳) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ اس نے سکون کے لئے رات بنائی اور دن کو روشن کیا' لوگوں پر فضل فرمایا' باوجود اس کے کہ اُن میں سے اکثر ناشکرے ہیں۔ اس خالق کائنات کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کو چھوڑ کر مخلوقات میں سے معبود بنانے والے تو بہکے ہوئے لوگ ہیں۔

﴿اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝﴾ (المؤمن: ۶۱، ۶۲)

''وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی' تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو' اور دن کو روشن کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے' مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔ وہی اللہ (جس نے تمہارے لئے یہ کچھ کیا ہے) تمہارا رب ہے۔ ہر چیز کا خالق' اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کدھر بہکائے جا رہے ہو۔''

۴) ایک مثال سنو! اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن معبودوں کو تم پکارتے ہو وہ سارے مل کر بھی ایک مکھی تک پیدا نہیں کر سکتے۔ مکھی اُن سے کوئی چیز چھین لے تو واپس نہیں لے سکتے۔ کیسے کمزور معبودوں کی مدد چاہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان مشرکوں نے قوت اور عزت والے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ یَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَیْـًٔا لَّا یَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۝﴾ (الحج: ۷۳، ۷۴)

''لوگو! ایک مثال دی جاتی ہے' غور سے سنو! جن معبودوں کو تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو وہ سب مل کر ایک مکھی بھی پیدا کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے۔ بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو وہ اسے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ مدد چاہنے والے بھی کمزور اور جن سے مدد چاہی جاتی ہے وہ بھی کمزور۔ ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ پہچانی جیسا کہ اس کے پہچاننے کا حق ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قوت اور عزت والا تو اللہ ہی ہے۔''

۵) کم بخت مشرک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے۔ اس تکلیف کی بات کو

(باقی صفحہ ۶۴ پر)

تعارفِ کتب

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد یونس جنجوعہ

کتاب : قرآن، اہل کتاب اور مسلمان

مصنف : محمد رضی الاسلام ندوی

ناشر : ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ (انڈیا)

صفحات : 296

قیمت : 70 روپے

قرآن مجید کتاب ہدایت ہے جس میں گزشتہ اقوام کے عبرت ناک واقعات کا تذکرہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اقوام ماضی کے ذکر کا مقصد مسلمانوں کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ یہود و نصاریٰ پر بھی اللہ کا کلام اترا تھا مگر انہوں نے اس کی قدر نہ کی جس پر وہ مغضوب، ملعون اور ضال قرار پائے۔ اب مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے اس طرزِ عمل سے عبرت پکڑ کر اللہ کے کلام کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی سعی کرنا چاہئے تاکہ وہ ان کی طرح کے انجام بد سے محفوظ رہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے یہ کتاب اسی مقصد کے پیش نظر لکھی ہے۔ وہ کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

''ضرورت تھی کہ کوئی ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں تاریخی پہلو پر اشارات ہوں البتہ ان پہلوؤں کو خاص طور پر ابھارا گیا ہو جن سے مسلمانوں کو عبرت ونصیحت حاصل ہو اور وہ ایمان و یقین سے سرشار ہو کر پوری زندگی اطاعت الٰہی کے تابع بنادیں اور اعمال صالحہ سے اسے آراستہ کریں''۔

چنانچہ مصنف نے کسی لمحے بھی اپنے مقصد کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ انتہائی مؤثر انداز اور مستند معلومات کے ذریعے کتاب کے ایک باب میں بنی اسرائیل پر انعامات ربانی کے تذکرے کے ساتھ ساتھ یہود کے جرائم، بداخلاقی، تحریف کتاب اور زعم باطل کو بھی واضح کیا

ہے اور نتیجے کے طور پر ان پر ہونے والے مختلف عذابوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

دوسرے باب میں نصاریٰ کے غلط عقائد مثلاً تثلیث' ابنیت مسیح اور الوہیت مسیح کے ذکر کے ساتھ ان کے جرائم نسلی برتری' غلو' تحریک کتاب' رہبانیت اور حرام خوری کو بیان کیا گیا ہے جن کی بنا پر وہ مغضوب ٹھہرے۔

تیسرے باب میں صالح اہل کتاب کے اوصاف بتا کر چوتھے باب میں قاری کو فیصلہ کن مرحلے پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ جہاں آج کے مسلمانوں اور اہل کتاب کے طرزِ عمل کا موازنہ کر کے مسلمانوں پر واضح کیا ہے کہ وہ اپنا جائزہ لیں کہ دین اسلام کی مستند اور ٹھوس تعلیمات کو چھوڑ کر وہ کیوں بے اعتدالی دنیا طلبی' قبر پرستی' کتمان حق' تضاد قول و فعل اور فرقہ بندی کا شکار ہو گئے ہیں۔ غور کا مقام ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے قانون مکافات میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ اہل کتاب جن بداعمالیوں کے سبب قہر الٰہی کے مستحق ہوئے وہی بداعمالیاں مسلمان کریں گے تو وہ محفوظ و مامون رہیں گے۔ العیاذ باللہ

مصنف کا ایسی کتاب لکھ کر مسلمانوں کو دعوت فکر دینا وقت کا اہم تقاضا ہے جس پر وہ بھرپور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ کتاب کی تمام معلومات مستند اور قابل اعتماد ہیں جو مصنف نے بہت محنت سے فراہم کی ہیں۔ کتاب کی لکھائی چھپائی' معیاری اور قیمت واجبی ہے۔

بقیہ : عبادت صرف ربّ ذوالجلال کا حق ہے

(اور بے قدری کرنے والے افتراء کو) اللہ تعالیٰ سنتا ہے۔ پھر بھی صبر کرتا ہے۔ اور ان مشرکوں کو چنگا بھلا کرتا ہے اور ان کو روزی دیتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ :
((مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی سَمِعَہٗ مِنَ اللّٰہِ یَدْعُوْنَ لَہُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْھِمْ وَ یَرْزُقُھُمْ)) (صحیح بخاری)

''ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:
''اللہ سے زیادہ تکلیف کی بات سن کر صبر کرنے والا کوئی نہیں۔ کم بخت مشرک کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے' باوجود ایسی باتوں کے وہ ان مشرکوں کو چنگا بھلا کرتا ہے اور اُن کو روزی دیتا ہے۔''

''انوار القرآن بہت جامع، علمی اور تحقیقی مقالہ ہے''

محترم ومکرم حافظ عاکف سعید صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ کے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

جنوری رفروری کا حکمت قرآن موصول ہوا' جو ایک مقالہ ''انوار القرآن'' از مولوی انیس احمد بی اے مرحوم پر مشتمل ہے۔ یہ مقالہ اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت جامع' علمی اور تحقیقی کاوش ہے۔ مصنف مرحوم نے جس پیرائے میں قرآن مجید کے مختلف موضوعات اور مسلمانوں کی معاشی' اقتصادی اور سیاسی حالت پر روشنی ڈالی ہے وہ قابل دید اور لائق ستائش ہے۔

علاوہ ازیں محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ تعالیٰ کے پیش لفظ اور شاہد احمد مرحوم کی تحریر نے اس مقالہ کو اور زیادہ دلچسپ بنا دیا ہے۔

جناب شاہد احمد نے دو اور کتابوں تعلیم القرآن اور کلید القرآن کا بھی ذکر کیا ہے۔ اگر آپ یہ دونوں مقالے اسی طرح حکمت قرآن میں شائع کر دیں تو یہ ایک بہت بڑی علمی خدمت ہوگی۔ امید ہے آپ اس طرف خصوصی توجہ فرمائیں گے۔

مخلص

عبدالرشید عراقی

سوہدرہ' ضلع گوجرانوالہ